اسلاف پرستی سے اصنام پرستی تک

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

اسلاف پرستی ہی دراصل اصنام پرستی ہے۔ دنیا میں شرک اولیاء و صلحاء کی محبت و تعظیم میں غلوّ کے باعث ہی پھیلا۔ اس حقیقت کو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (661- 728ھ) یوں آشکارا کرتے ہیں: إِنَّ أَصْلَ الشِّرْكِ فِي الْعَالَمِ كَانَ مِنْ عِبَادَةِ الْبَشَرِ الصَّالِحِينَ وَعِبَادَةِ تَمَاثِيلِهِمْ وَهُمُ الْمَقْصُودُونَ، وَمِنَ الشِّرْكِ مَا كَانَ أَصْلُهُ عِبَادَةَ الْكَوَاكِبِ ؛ إِمَّا الشَّمْسُ وَإِمَّا الْقَمَرُ وَإِمَّا غَيْرُهُمَا، وَصَوَّرَتِ الْأَصْنَامُ طَلَاسِمَ لِتِلْكَ الْكَوَاكِبِ، وَشِرْكُ قَوْمِ إِبْرَاهِيمَ – وَاللّٰهُ أَعْلَمُ – كَانَ مِنْ هٰذَا أَوْ كَانَ بَعْضُهُ مِنْ هٰذَا، وَمِنَ الشِّرْكِ مَا كَانَ أَصْلُهُ عِبَادَةَ الْمَلَائِكَةِ أَوِ الْجِنِّ، وُضِعَتِ الْأَصْنَامُ لِأَجْلِهِمْ، وَإِلَّا فَنَفْسُ الْأَصْنَامِ الْجَمَادِيَّةِ لَمْ تُعْبَدْ لِذَاتِهَا، بَلْ لِأَسْبَابٍ اقْتَضَتْ ذٰلِكَ، وَشِرْكُ الْعَرَبِ كَانَ أَعْظَمُهُ الْأَوَّلَ، وَكَانَ فِيهِ مِنَ الْجَمِيعِ . ”دنیا میں شرک کی بنیاد نیک بندوں کی عبادت تھی، نیز ان کی مُورتیوں کو بھی پُوجا جاتا تھا لیکن مقصود وہی لوگ تھے۔ شرک کی ایک قسم وہ بھی تھی جس کی بنیاد ستاروں کی پرستش پر تھی۔ وہ سورج ہو یا چاند یا کوئی اور ستارے، بُتوں نے انہی ستاروں کی طلسمی تصویر پیش کی تھی۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا شرک پُورا کا پُورا یہی تھا یا کچھ نہ کچھ اسی پر مبنی تھا۔ شرک کی ایک اور قسم ہے جس کی بنیاد فرشتوں یا جنوں کی عبادت پر ہے۔ فرشتوں اور جنّوں کی یاد میں بُت تراشے گئے ہیں، ورنہ بے جان بُتوں کی عبادت محض انہی کے لیے کبھی نہیں کی گئی۔ بلکہ ان کی عبادت کے پیچھے مذکورہ اسباب اس کے متقاضی تھے۔ عربوں کے شرک کا بڑا حصہ پہلی قسم کے شرک سے تھا، البتہ اُن میں سب طرح کا شرک پایا جاتا تھا۔“ (مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ: 17/460- 461)

نیز فرماتے ہیں: وَمِنْ هٰؤُلَاءِ مَنْ يَأْتِي إِلٰى قَبْرِ الشَّيْخِ الَّذِي يُشْرِكُ بِهِ وَيَسْتَغِيثُ بِهِ، فَيَنْزِلُ عَلَيْهِ مِنَ الْهَوَاءِ طَعَامٌ أَوْ نَفَقَةٌ أَوْ سِلَاحٌ أَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ مِمَّا

يَطْلُبُهُ، فَيَظُنُّ ذَلِكَ كَرَامَةً لِشَيْخِهِ، وَإِنَّمَا ذَلِكَ كُلُّهُ مِنَ الشَّيَاطِينِ، وَهٰذَا مِنْ أَعْظَمِ الْأَسْبَابِ الَّتِي عُبِدَتْ بِهَا الْأَوْثَانُ، وَقَدْ قَالَ الْخَلِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿ وَٱجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ ﴾ إبراهيم: ٣٥،﴿ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ ﴾ إبراهيم: ٣٦ ،كَمَا قَالَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَعْلُومٌ أَنَّ الْحَجَرَ لَا يُضِلُّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ إِلَّا بِسَبَبٍ اقْتَضٰى ضَلَالَهُمْ، وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْ عُبَّادِ الْأَصْنَامِ يَعْتَقِدُ أَنَّهَا خَلَقَتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، بَلْ إِنَّمَا كَانُوا يَتَّخِذُونَهَا شُفَعَاءَ وَوَسَائِطَ لِأَسْبَابِ : مِنْهُمْ مَنْ صَوَّرَهَا عَلٰى صُوَرِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهَا تَمَاثِيلَ وَطَلَاسِمَ لِلْكَوَاكِبِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهَا لِأَجْلِ الْجِنِّ، وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهَا لِأَجْلِ الْمَلَائِكَةِ، فَالْمَعْبُودُ لَهُمْ فِي قَصْدِهِمْ إِنَّمَا هُوَ الْمَلَائِكَةُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالصَّالِحُونَ أَوِ الشَّمْسُ أَوِ الْقَمَرُ، وَهُمْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ، فَهِيَ الَّتِي تَقْصِدُ مِنَ الْإِنْسِ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَتُظْهِرُ لَهُمْ مَا يَدْعُوهُمْ إِلٰى ذٰلِكَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى :﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ﴾ سبأ : ٤٠، ﴿ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴾ سبأ: ٤١، وَإِذَا كَانَ الْعَابِدُ مِمَّنْ لَا يَسْتَحِلُّ عِبَادَةَ الشَّيَاطِينِ أَوْهَمُوهُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَدْعُو الْأَنْبِيَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَلَائِكَةَ وَغَيْرَهُمْ مِمَّنْ يُحْسِنُ الْعَابِدُ ظَنَّهُ بِهِ، وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِمَّنْ لَا يُحَرِّمُ عِبَادَةَ الْجِنِّ عَرَّفُوهُ أَنَّهُمُ الْجِنُّ .

”بعض مشرک ایسے ہوتے ہیں جو کسی ایسے بزرگ کی قبر پر آتے ہیں جس کے ذریعے وہ شرک کرتے اور جس سے وہ مدد طلب کرتے ہیں تو ان کے پاس فضا سے کوئی کھانا یا خرچ یا اسلحہ وغیرہ جس کی انہیں طلب ہوتی ہے، آجاتا ہے۔ وہ اسے اس بزرگ کی کرامت سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ بُتوں کی پرستش کا بڑا سبب یہی رہا ہے۔ سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی

تھی: ﴿ وَٱجۡنُبۡنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعۡبُدَ ٱلۡأَصۡنَامَ ﴾ إبراهيم: ٣٥،(اے اللہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُتوں کی پُوجا سے بچالینا)، نیز عرض کی: ﴿ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضۡلَلۡنَ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ ﴾ إبراهيم: ٣٦(اے میرے ربّ اِن بُتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے)۔ اسی طرح کی بات سیّدنا نوح علیہ السلام نے بھی کی تھی۔ اب یہ بات تو معلوم ہے کہ پتھر لوگوں کو گمراہ نہیں کر سکتا، ہاں کسی ایسے سبب سے یہ کام ہو سکتا ہے جو اُن کی گمراہی کا باعث بنا ہو۔ کسی بُت پرست کا یہ اعتقاد نہیں ہو سکتا کہ بُتوں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ بُت پرست تو بُتوں کو کئی اسباب سے سفارشی اور وسیلہ بناتے تھے۔ بعض مشرکین نے انبیائے کرام اور نیک اولیاء اللہ کی صورتوں پر بُت بنائے ہوئے تھے۔ بعض نے ستاروں، سورج اور ستاروں کی مُورتیاں بنالی تھیں۔ بعض نے یہ مُورتیاں جنّوں کے لیے اور بعض نے فرشتوں کے لیے بنائی تھیں۔ اِن بُت پرستوں کا مقصد صرف فرشتوں، انبیائے کرام، نیک بزرگوں یا سورج اور چاند کی عبادت کرنا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ لوگ شیاطین کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ شیاطین ہی انسانوں سے بُتوں کی عبادت چاہتے ہیں اور اُن کے لیے بسا اوقات ایسی چیزیں ظاہر کرتے ہیں جو اُن کو شرک کی طرف بلاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيعٗا ثُمَّ يَقُولُ لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمۡ كَانُواْ يَعۡبُدُونَ ٤٠ ﴾ سبأ: ٤٠، ﴿ قَالُواْ سُبۡحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِمۖ بَلۡ كَانُواْ يَعۡبُدُونَ ٱلۡجِنَّۖ أَكۡثَرُهُم بِهِم مُّؤۡمِنُونَ ﴾ سبأ: ٤١،(اور اس دن اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: اے اللہ تُو پاک ہے۔ ان کے خلاف تُو ہی ہمارا ولی ہے۔ یہ لوگ تو جنّوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لاتے تھے۔) جب عبادت کرنے والا شیاطین کی عبادت کو جائز نہ سمجھتا ہو تو یہ شیاطین اس کو یہ وہم دیتے ہیں کہ وہ تو صرف اُن انبیائے کرام، نیک لوگوں اور فرشتوں وغیرہ کو پُکار رہا ہے جن کے بارے میں

عبادت گزار کو حسنِ ظن ہوتا ہے۔ اور اگر عبادت گزار جنّوں وغیرہ کی عبادت کو حرام نہ سمجھتا ہو تو اُسے بتادیتے ہیں کہ وہ جن ّہی ہیں۔"

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة الحرانی: 360/1)

مزید فرماتے ہیں: وَقَالَ تَعَالىٰ : ﴿ قُلِ ٱدْعُواْ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِۦ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ ٱلضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٥٦﴾ أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُۥ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُۥٓ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ ﴾ الإسراء: ٥٦ ـ ٥٧، قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنَ السَّلَفِ : كَانَ أَقْوَامٌ يَدْعُونَ الْمَسِيحَ وَعُزَيْرًا وَالْمَلَائِكَةَ، قَالَ اللَّهُ تَعَالىٰ : هَؤُلَاءِ الَّذِينَ تَدْعُونَهُمْ عِبَادِي كَمَا أَنْتُمْ عِبَادِي وَيَرْجُونَ رَحْمَتِي كَمَا تَرْجُونَ رَحْمَتِي وَيَخَافُونَ عَذَابِي كَمَا تَخَافُونَ عَذَابِي، وَيَتَقَرَّبُونَ إِلَيَّ كَمَا تَتَقَرَّبُونَ إِلَيَّ، فَإِذَا كَانَ هٰذَا حَالُ مَنْ يَدْعُو الْأَنْبِيَاءَ وَالْمَلَائِكَةَ فَكَيْفَ بِمَنْ دُونَهُمْ ؟ وَقَالَ تَعَالىٰ : ﴿ أَفَحَسِبَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَن يَتَّخِذُواْ عِبَادِى مِن دُونِىٓ أَوْلِيَآءَ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَـٰفِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ ﴾ الكهف: ١٠٢، وَقَالَ تَعَالىٰ: ﴿ قُلِ ٱدْعُواْ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَلَا فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُۥ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَـٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ۚ ﴾ سبأ: ٢٢، ٢٣، فَبَيَّنَ سُبْحَانَهُ أَنَّ مَنْ دُعِيَ مَنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ جَمِيعِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْبَشَرِ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي مُلْكِهِ، وَأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ شَرِيكٌ فِي مُلْكِهِ، بَلْ هُوَ سُبْحَانَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ عَوْنٌ يُعَاوِنُهُ كَمَا يَكُونُ لِلْمَلِكِ أَعْوَانٌ وَّظُهَرَاءُ، وَأَنَّ الشُّفَعَاءَ عِنْدَهُ لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى، فَنَفٰى بِذٰلِكَ وُجُوهَ الشِّرْكِ، وَذٰلِكَ أَنَّ مَنْ

يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِمَّا أَنْ يَكُونَ مَالِكًا وَإِمَّا أَنْ لَا يَكُونُ مَالِكًا، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ مَالِكًا فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ شَرِيكًا وَإِمَّا أَنْ لَا يَكُونَ شَرِيكًا، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ شَرِيكًا فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مُعَاوِنًا وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ سَائِلًا طَالِبًا، فَالْأَقْسَامُ الْأُوَلُ الثَّلَاثَةُ وَهِيَ: الْمِلْكُ وَالشِّرْكَةُ وَالْمُعَاوَنَةُ مُنْتَفِيَةٌ، وَأَمَّا الرَّابِعُ فَلَا يَكُونُ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ﴾ البقرة: ٢٥٥، وَكَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغْنِى شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ أَن يَأْذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ﴾ النجم: ٢٦، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿أَمِ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُفَعَآءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا۟ لَا يَمْلِكُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُل لِّلَّهِ ٱلشَّفَٰعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ﴾ الزمر: ٤٣ - ٤٤، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِى سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ ۖ مَا لَكُم مِّن دُونِهِۦ مِن وَلِىٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾ السجدة: ٤، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَنذِرْ بِهِ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِىٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ الأنعام: ٥١، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ ٱللَّهُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحُكْمَ وَٱلنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا۟ عِبَادًا لِّى مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا۟ رَبَّٰنِيِّۦنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ ٱلْكِتَٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا۟ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ وَٱلنَّبِيِّۦنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِٱلْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾﴾ آل عمران: ٧٩ – ٨٠، فَإِذَا جُعِلَ مَنِ اتَّخَذَ الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا كَافِرًا فَكَيْفَ مَنِ اتَّخَذَ مَنْ دُونَهُمْ مِنَ الْمَشَايِخِ

وَغَيْرِهِمْ أَرْبَابًا، وَتَفْصِيلُ الْقَوْلِ : أَنَّ مَطْلُوبَ الْعَبْدِ إنْ كَانَ مِنَ الْأُمُورُ الَّتِي لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا إلَّا اللَّهُ تَعَالَى مِثْلُ أَنْ يَطْلُبَ شِفَاءَ مَرِيضِهِ مِنَ الْآدَمِيِّينَ وَالْبَهَائِمِ أَوْ وَفَاءَ دَيْنِهِ مِنْ غَيْرِ جِهَةٍ مُعَيَّنَةٍ أَوْ عَافِيَةَ أَهْلِهِ وَمَا بِهِ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَانْتِصَارَهُ عَلَى عَدُوِّهِ وَهِدَايَةَ قَلْبِهِ وَغُفْرَانَ ذَنْبِهِ أَوْ دُخُولَهُ الْجَنَّةَ أَوْ نَجَاتَهُ مِنْ النَّارِ أَوْ أَنْ يَتَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَالْقُرْآنَ أَوْ أَنْ يُصْلِحَ قَلْبَهُ وَيُحَسِّنَ خُلُقَهُ وَيُزَكِّيَ نَفْسَهُ وَأَمْثَالَ ذَلِكَ، فَهَٰذِهِ الْأُمُورُ كُلُّهَا لَا يَجُوزُ أَنْ تُطْلَبَ إلَّا مِنَ اللَّهِ تَعَالىٰ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقُولَ لِمَلِكٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا شَيْخٍ - سَوَاءٌ كَانَ حَيًّا أَوْ مَيِّتًا - اغْفِرْ ذَنْبِي وَلَا انْصُرْنِي عَلَى عَدُوِّي وَلَا اشْفِ مَرِيضِي وَلَا عَافِنِي أَوْ عَافِ أَهْلِي أَوْ دَابَّتِي وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، وَمَنْ سَأَلَ ذَٰلِكَ مَخْلُوقًا كَائِنًا مَنْ كَانَ فَهُوَ مُشْرِكٌ بِرَبِّهِ مِنْ جِنْسِ الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ الْمَلَائِكَةَ وَالْأَنْبِيَاءَ وَالتَّمَاثِيلَ الَّتِي يُصَوِّرُونَهَا عَلَى صُوَرِهِمْ، وَمِنْ جِنْسِ دُعَاءِ النَّصَارَى لِلْمَسِيحِ وَأُمِّهِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالىٰ : ﴿وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَـٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَـٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ﴾ المائدة: ١١٦، الْآيَة، وَقَالَ تَعَالىٰ : ﴿ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ التوبة: ٣١، وَأَمَّا مَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعَبْدُ فَيَجُوزُ أَنْ يُطْلَبَ مِنْهُ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ دُونَ بَعْضٍ ؛ فَإِنَّ "مَسْأَلَةَ الْمَخْلُوقِ" قَدْ تَكُونُ جَائِزَةً وَقَدْ تَكُونُ مَنْهِيًّا عَنْهَا قَالَ اللَّهُ تَعَالىٰ : ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَٱنصَبْ ۝٧ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَٱرْغَب ۝٨﴾ الشرح: ٧-٨، وَأَوْصَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ابْنَ عَبَّاسٍ : ((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ)) - - - - -

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿قُلِ ٱدْعُوا۟ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِۦ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ ٱلضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا

تَحۡوِيلًا ﴿٥٦﴾ أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ يَبۡتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلۡوَسِيلَةَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ وَيَرۡجُونَ رَحۡمَتَهُۥ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُۥٓۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُورًا ﴿٥٧﴾ ﴾ الإسراء: ٥٦ ــ ٥٧، (اے نبی! کہہ دیجیے کہ تم جن لوگوں کو اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو، نہ وہ تم سے کسی تکلیف کے ہٹانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں نہ اسے بدلنے کا۔ جنہیں یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے ربّ تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈتے کہ ان میں سے کون اللہ سے قریب تر ہو سکتا ہے اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے ربّ کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے)۔ سلف صالحین کے ایک گروہ نے کہا ہے: کچھ لوگ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیّدنا عزیر اور فرشتوں کو پُکارتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ بھی اسی طرح کے بندے ہیں جس طرح کے تم ہو، وہ بھی میری رحمت کے اُسی طرح امیدوار ہیں جس طرح تم ہو، وہ بھی میرے عذاب سے اسی طرح ڈرتے ہیں جس طرح تم ڈرتے ہو اور وہ بھی میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح تم کرتے ہو۔ جب انبیائے کرام اور فرشتوں کو پکارنے والوں کا یہ حال ہے تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہو گا (جو اولیاء اللہ کو پُکارتے ہیں)؟ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿ أَفَحَسِبَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَن يَتَّخِذُواْ عِبَادِي مِن دُونِيٓ أَوۡلِيَآءَۚ إِنَّآ أَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكَـٰفِرِينَ نُزُلًا ﴾ الكهف: ١٠٢، (کیا پھر کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے۔ بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے جہنم کی مہمانی تیار کی ہوئی ہے۔) نیز فرمایا: ﴿ قُلِ ٱدۡعُواْ ٱلَّذِينَ زَعَمۡتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِۖ لَا يَمۡلِكُونَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَلَا فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِيهِمَا مِن شِرۡكٍ وَمَا لَهُۥ مِنۡهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَـٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنۡ أَذِنَ لَهُۥۚ ﴾ سبأ: ٢٢، ٢٣، (اے نبی! کہہ دیجیے کہ

تم اُنہیں پکارو جن کو تم نے اللہ کو چھوڑ کر معبود سمجھ رکھا ہے۔ وہ تو آسمانوں اور زمین میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں نہ ان کا زمین و آسمان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا معاون ہے۔اس کے ہاں کسی کی شفارش بھی فائدہ نہیں دیتی۔ ہاں جسے وہ اجازت دے)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ فرشتوں اور انسانوں میں سے جس بھی مخلوق کو پکارا جاتا ہے ، وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں سے ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی اللہ کے لیے بادشاہت اور تعریف ہے ، وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح بادشاہوں کے معاونین اور مددگار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کوئی معاون نہیں، نیز سفارشی اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش کر سکیں گے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سفارش کو پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے شرک کی تمام اقسام کی نفی کر دی ہے۔اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ جس کو مشرکین اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں، وہ یا تو مالک ہو گیا یا مالک نہیں ہو گا۔ اگر مالک نہیں ہو گا تو یا وہ شریک ہو گا یا شریک نہیں ہو گا۔ اگر وہ شریک نہیں ہو گا تو یا معاون ہو گا یا سوالی و طالب ہو گا۔ پہلی تین اقسام یعنی ملکیت ، شرکت اور معاونت تو ممتنع ہیں۔ چوتھی قسم یعنی سفارش صرف اس کی اجازت کے بعد ہو سکتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ﴾ البقرة: ۲۵۵ ،(کون ہے جو اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟) نیز فرمایا:﴿ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ لَا تُغْنِى شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ أَن يَأْذَنَ ٱللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ ﴾ النجم: ۲٦ ،(آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے اور پسند کرے ، اجازت دے دے۔) ایک مقام پر فرمایا:

﴿ أَمِ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُفَعَآءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا۟ لَا يَمْلِكُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُل لِّلَّهِ ٱلشَّفَٰعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

وَٱلۡأَرۡضِۖ ﴾ الزمر: ٤٣ - ٤٤، (کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ کوئی سفارشی بنا لیے ہیں ؟ کہہ دیجیے کہ اگر وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور کچھ نہ سمجھتے ہوں تو؟ تمام شفاعت اللہ ہی کے لیے ہے، اسی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے۔) نیز فرمایا: ﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِی خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٖ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِۖ مَا لَكُم مِّن دُونِهِۦ مِن وَلِيّٖ وَلَا شَفِيعٍۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴾ السجدة: ٤، (اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے، آسمانوں، زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے، چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی کارساز اور سفارشی نہیں، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟) نیز فرمایا: ﴿ وَأَنذِرۡ بِهِ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحۡشَرُوٓاْ إِلَىٰ رَبِّهِمۡ لَيۡسَ لَهُم مِّن دُونِهِۦ وَلِيّٞ وَلَا شَفِيعٞ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُونَ ﴾ الأنعام: ٥١، (اے نبی! آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور سفارشی نہیں۔ شاید کہ وہ ڈریں) نیز فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤۡتِيَهُ ٱللَّهُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحُكۡمَ وَٱلنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُواْ عِبَادٗا لِّي مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَٰكِن كُونُواْ رَبَّٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمۡ تُعَلِّمُونَ ٱلۡكِتَٰبَ وَبِمَا كُنتُمۡ تَدۡرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأۡمُرَكُمۡ أَن تَتَّخِذُواْ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةَ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ أَرۡبَابًاۗ أَيَأۡمُرُكُم بِٱلۡكُفۡرِ بَعۡدَ إِذۡ أَنتُم مُّسۡلِمُونَ ﴿٨٠﴾ ﴾ آل عمران: ٧٩ - ٨٠، کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کرے تو وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ کہے گا کہ رب والے بن جاؤ، کیونکہ تم اس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو۔ اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو ربّ بنالو۔ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو؟)

پس جب فرشتوں اور نبیوں کو اللہ کے علاوہ ربّ بنانے والا کافر قرار دیا گیا ہے تو اُن لوگوں کا حال کیا ہوگا جنھوں نے نبیوں اور فرشتوں سے ادنیٰ شیوخ وغیرہم کو ربّ بنالیا ہے ؟ اس بات کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بندے کا مطلوب ایسی چیز ہو جس پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہو تو ایسے اُمور صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کیے جاسکتے ہیں، مثلاً بیمار انسانوں یا جانوروں کے لیے شفاء کی طلب، اپنے قرض کی غیر معین جہت کے ادائیگی، اپنے گھر والوں کی عافیت، دنیا و آخرت کی آزمائشوں سے چھٹکارا، دشمن پر غلبہ، دل کی ہدایت، گناہوں کی معافی، جنت میں دخول، جہنم سے آزادی، علم اور قرآنِ کریم کی تعلیم کا حصول، دل کی اصلاح، حُسنِ اخلاق، تزکیہ نفس وغیرہ۔ کسی بادشاہ، نبی یا شیخ سے، وہ زندہ ہو یا مردہ، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میرے گناہ معاف کردے، میرے دشمنوں پر مجھے غلبہ دے دے، میرے مریض کو شفاء دے دے، مجھے عافیت دے دے یا میرے گھر والوں یا میرے جانوروں کو صحت دے دے وغیرہ وغیرہ۔ جس شخص نے کسی بھی مخلوق سے اِن میں سے کوئی چیز مانگی وہ اپنے ربّ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے، بالکل اسی طرح جیسے وہ مشرک جو فرشتوں، انبیائے کرام اور اُن مُورتیوں کی عبادت کرتے ہیں جو فرشتوں اور انبیائے کرام کی صورتوں پر بنائی گئی ہیں اور بالکل ایسے ہی جیسے نصاریٰ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو پُکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَـٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَـٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ المائدة: ١١٦، (جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا دو الٰہ بنالو ؟) نیز فرمایا:

﴿ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ التوبة: ٣١، (انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں اور عیسیٰ بن مریم کو اللہ کے علاوہ اپنا ربّ بنالیا تھا،

حالانکہ ان کو صرف ایک ہی الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ ان لوگوں کے شرک سے بری ہے)۔ اب رہیں وہ چیزیں جن پر بندے قادر ہوتے ہیں تو ایسی چیزیں بسا اوقات بندوں سے مانگی جا سکتی ہیں۔ مخلوق سے مانگنا کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی ممنوع۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝٨ ﴾ الشرح: ٧-٨، (جب آپ فارغ ہوں تو محنت کیجیے اور اپنے ربّ ہی کی طرف رغبت کیجیے)۔ نبی اکرم ﷺ نے سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔"

(زیارۃ القبور والاستنجاد بالمقبور لابن تیمیۃ: 5-11)

امام ابو حنیفہ اور محدثین کا اتفاق

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م: 354ھ) فرماتے ہیں:

"نعمان بن ثابت کوفی صاحب الرائے تھے۔۔۔ ان کے والد نجد کے رہائشی قبیلے بنو تیم اللہ کی ایک شاخ بنو ربیعہ میں ایک آدمی کے غلام تھے۔۔۔ امام صاحب مناظر شخص تھے، ظاہری اعتبار سے متقی معلوم ہوتے تھے۔ حدیث اُن کا فن نہ تھا۔ اُنہوں نے 130 احادیث بیان کی ہیں۔ دنیا میں اِن کے علاوہ اُن کی کوئی حدیث نہیں۔ اِن میں سے 120 احادیث بیان کرنے میں اُنہوں نے اس طرح غلطی کی ہے کہ لاشعوری طور پر یا تو سند کو بدل دیا ہے یا متن کو۔ جب اُن کی غلطیاں درُستی سے زیادہ ہو گئیں تو وہ اُن کی احادیث ناقابلِ حجت ہو گئیں۔ ایک اور وجہ سے بھی امام صاحب ناقابلِ اعتبار ہیں کہ وہ بدعتِ ارجاء کی طرف دعوت دیتے تھے اور بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہمارے تمام ائمہ کرام کے نزدیک ناقابلِ حجت ہوتا ہے۔ اس بارے میں محدثین کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ تمام علاقوں اور پوری دنیا میں زہد و تقویٰ والے ائمہ مسلمین نے امام ابو حنیفہ پر جرح کی ہے۔۔۔"

(المجروحین لابن حبان: 3/64،63)

ابو طالب کا اسلام؟

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

قارئین کرام! قرآن و سنت کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا خود کافر ہونے کے مترادف ہے۔ فتنہ تکفیر (مسلمانوں کو کافر کہنا)، غلو پر مبنی ایک عقیدہ و نظریہ ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ واقعی انتہا پسندی ہے۔ لیکن یہ بات بھی زیرِ غور رہے کہ یہ ایک انتہا ہے۔ اسلام ایک معتدل دین ہے لہٰذا اہل سنت والجماعت اپنے عقیدے و منہج کے اعتبار سے ہمیشہ دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال ہی میں رہے ہیں۔ اب اس سلسلے میں دوسری انتہا کیا ہے ؟بدیہی طور پر فتنہ تکفیر کے برعکس دوسری انتہا یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو بھی مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرنا جس کے کفر پر قرآن و سنت اور مسلمانوں کے اجماع جیسے ٹھوس دلائل موجود ہوں۔ آیندہ سطور میں استاذِ محترم نے اسی دوسری انتہا کے آئینہ دار ایک نظریے "ایمانِ ابو طالب" کو موضوعِ بحث بنا کر قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے ذریعے اس کا بطلان کیا ہے، نیز اس بارے میں اہل سنت والجماعت کے اتفاقی نظریے کو قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت بھی کیا ہے۔ اگر تعصب کی پٹّی اُتار کر انصاف کی نظر سے اس مضمون کو دیکھا جائے گا تو یقیناً ایک انتہا پسند سوچ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم ابو جہل اور ابو طالب کو ایک ہی صف میں کھڑا نہیں کرتے۔ ابو جہل کے کفر پر مرنے پر ہم بالکل دل گرفتہ نہیں، کیونکہ اس نے اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، البتہ ابو طالب یقیناً اسلام دوست تھے، اُن کے ایمان لائے بغیر فوت ہونے پر ہمیں بھی صدمہ ہے جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو تھا، لیکن اس سلسلے میں ہم حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حافظ ابو یحییٰ نورپوری

اہل سنت والجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس موقف پر قرآن و حدیث کے دلائل شاہد ہیں۔ ائمہ دین کی تصریحات اس پر مستزاد ہیں۔ اس کے باوجود رافضی فرقہ ابو طالب کے اسلام پر مُصر ہے۔ بعض شیعوں

نے "ایمانِ ابی طالب" کے عنوان سے کتابیں لکھ دی ہیں۔ اسی طرح بعض نام نہاد اہل سنت نے بھی ایمانِ ابی طالب کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ عطاء محمد بندیالوی نامی ایک بریلوی نے "تحقیقِ ایمانِ ابی طالب" نامی رسالہ لکھا ہے۔ اس پر "مفتی" محمد خان قادری بریلوی کی تقریظ ہے۔

ہماری گزارش ہے کہ جو لوگ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدے سے منحرف ہوں اور ابو طالب کے کفر پر موجود صریح احادیثِ رسول کو رافضیوں کی تقلید میں "خبر واحد" کہہ کر ٹھکرا رہے ہوں، نیز ان فرامینِ رسول کو قرآن کے مخالف بھی قرار دینے کی سعیِ مذموم کر رہے ہوں، انہیں "سنّی" کہلوانے کا کیا حق ہے؟

ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661- 728ھ) فرماتے ہیں:

- - - - يَقُولُهُ الْجُهَّالُ مِنَ الرَّافِضَةِ وَنَحْوِهِمْ مِنْ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ آمَنَ وَيَحْتَجُّونَ بِمَا فِي "السِّيرَةِ " مِنَ الْحَدِيثِ الضَّعِيفِ، وَفِيهِ أَنَّهُ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيٍّ وَقْتَ الْمَوْتِ، وَلَوْ أَنَّ الْعَبَّاسَ ذَكَرَ أَنَّهُ آمَنَ لَمَا كَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَمُّكَ الشَّيْخُ الضَّالُّ كَانَ يَنْفَعُكَ فَهَلْ نَفَعْته بِشَيْءٍ ؟ فَقَالَ: ((وَجَدْتُهُ فِي غَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ، فَشَفَعْت فِيهِ حَتَّى صَارَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، فِي رِجْلَيْهِ نَعْلَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ))، هَذَا بَاطِلٌ مُخَالِفٌ لِمَا فِي الصَّحِيحِ وَغَيْرِهِ، فَإِنَّهُ كَانَ آخِرَ شَيْءٍ قَالَهُ: هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَنَّ الْعَبَّاسَ لَمْ يَشْهَدْ مَوْتَهُ مَعَ أَنَّ ذَلِكَ لَوْ صَحَّ لَكَانَ أَبُو طَالِبٍ أَحَقَّ بِالشُّهْرَةِ مِنْ حَمْزَةَ وَالْعَبَّاسِ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعِلْمِ الْمُتَوَاتِرِ الْمُسْتَفِيضِ بَيْنَ الْأُمَّةِ خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ أَنَّهُ لَمْ يُذْكَرْ أَبُو طَالِبٍ --- فِي جُمْلَةِ مَنْ يُذْكَرُ مِنْ أَهْلِهِ الْمُؤْمِنِينَ كَحَمْزَةَ وَالْعَبَّاسِ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، كَانَ هَذَا مِنْ أَبْيَنِ الْأَدِلَّةِ عَلَى أَنَّ ذَلِكَ كَذِبٌ .

"رافضی اور دیگر جاہل لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالب ایمان لے آئے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کتبِ سیرت میں مذکور ایک ضعیف حدیث سے دلیل لیتے ہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ

ابو طالب نے موت کے وقت (ایمان کے بارے میں) مخفی کلام کی تھی، لیکن اگر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابو طالب کے ایمان کا ذکر کیا ہوتا تو وہ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات نہ کہتے کہ آپ کا گمراہ چچا (اپنی زندگی میں) آپ کو نفع پہنچایا کرتا تھا۔ کیا آپ نے بھی اسے کوئی فائدہ پہنچایا ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَجَدْتُهُ فِي غَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ، فَشَفَعْتُ فِيهِ حَتَّى صَارَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، فِي رِجْلَيْهِ نَعْلَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ)) (میں نے انہیں آگ میں غوطے لیتے دیکھا تو ان کی سفارش کی حتی کہ وہ جہنم کے بالائی طبقہ میں آگئے۔ اب اُن کے پاؤں میں آگ کے دو جُوتے ہیں جن کی وجہ سے اُن کا دماغ کھَول رہا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوتے)۔ (دیکھیں صحیح البخاري : 6564، صحیح مسلم : 360،362) یعنی یہ بات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکورہ قصے کے خلاف ہے۔ ابو طالب نے آخری کلام یہ کی تھی کہ وہ عبد المطلب کے دین پر قائم ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ تو ابو طالب کی موت کے وقت موجود نہ تھے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو ابو طالب کے ایمان کی شہرت سیّدنا حمزہ اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ سلف سے خلف تک متواتر اور مشہور و معلوم بات ہے کہ ابو طالب --- کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان لانے والے رشتہ داروں، مثلاً سیّدنا حمزہ، سیّدنا عباس، سیدنا علی، سیّدہ فاطمہ، سیّدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم میں ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ اس بات کے جھوٹ ہونے پر واضح ترین دلیل ہے۔" (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة : 327/4)

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ابو طالب کے مسلمان نہ ہونے کے دلائل ذکر کرتے ہیں:

دلیل نمبر 1 : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ﴾

القصص: ٥٦ ”اے نبی! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔“

یہ آیتِ کریمہ بالاتفاق ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں: **فَقَدْ أَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ عَلیٰ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ، وَكَذَا نَقَلَ إِجْمَاعَهُمْ عَلیٰ هٰذَا الزَّجَّاجُ وَغَيْرُهُ، وَهِيَ عَامَّةٌ، فَإِنَّهُ لَا يَهْدِي وَلَا يُضِلُّ إِلَّا اللهُ تَعَالیٰ .** ”مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ زجّاج وغیرہ نے مفسرین کا اجماع اسی طرح نقل کیا ہے۔ یہ آیت عام (بھی) ہے۔ ہدایت دینا اور گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔“ (شرح صحيح مسلم للنووي: 41/1)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں: ”بیان کرنے والے اس بات میں اختلاف نہیں کرتے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔“ (فتح الباري لابن حجر: 506/8)

دلیل نمبر 2 : سیّدنا مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– « يَا عَمِّ قُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ »، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ : هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– « أَمَا وَاللَّهِ لأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ »، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَن يَسۡتَغۡفِرُواْ لِلۡمُشۡرِكِينَ وَلَوۡ كَانُوٓاْ

أُوْلِي قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴾ التوبة: ١١٣، وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ –صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴾ القصص: ٥٦. ''جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے اُن کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ کو دیکھا تو فرمایا: اے چچا! لا الہ الا اللہ کہہ دیں کہ اس کلمے کے ذریعے اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: اے ابو طالب! کیا آپ عبد المطلب کے دین سے مُنحرف ہو جائیں گے؟ رسولِ اکرم ﷺ مسلسل اپنی بات ابو طالب کو پیش کرتے رہے اور بار بار یہ کہتے رہے، حتیٰ کہ ابو طالب نے اپنی آخری بات یوں کی کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے جب تک روکا نہ گیا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَن يَسْتَغْفِرُواْ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓاْ أُوْلِي قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴾ التوبة: ١١٣، (نبی اور مؤمنوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس کے بعد کہ انہیں اُن کے جہنمی ہونے کا واضح علم ہو جائے)۔ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں قرآن نازل کرتے ہوئے اپنے رسول سے فرمایا: ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴾ القصص: ٥٦ (بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا

ہے)۔"(صحیح البخاري: 548/1، ح: 3884، صحیح مسلم: 40/1، ح: 24)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ابو طالب کافر تھے۔ وہ ملّتِ عبد المطلب پر فوت ہوئے۔ انہوں نے مرتے وقت کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اُن کے حق میں دُعا کرنے سے منع کر دیا تھا۔

دلیل نمبر 3 : سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– لِعَمِّهِ :« قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ »، قَالَ : لَوْلاَ أَنْ تُعَيِّرَنِى قُرَيْشٌ يَقُولُونَ : إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلىٰ ذَلِكَ الْجَزَعُ لأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ : ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ ﴾ القصص: ٥٦

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابو طالب) سے کہا: آپ لا الٰہ الّا اللّٰہ کہہ دیں۔ میں قیامت کے روز اس کلمے کی وجہ سے آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ اُنہوں نے جواب دیا: اگر مجھے قریش یہ طعنہ نہ دیتے کہ موت کی گھبراہٹ نے اسے اس بات پر آمادہ کر دیا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ ﴾ القصص: ٥٦ (یقیناً جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، البتہ جسے اللہ چاہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے)۔"(صحیح مسلم: 40/1، ح: 25)

دلیل نمبر 4 : سیّدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَىْءٍ ، فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ ؟ قَالَ : « نَعَمْ، هُوَ فِى ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، لَوْلاَ أَنَا لَكَانَ فِى الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ » "اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ابو طالب کو کوئی فائدہ دیا۔ وہ تو آپ کا دفاع کیا کرتے تھے اور آپ کے لیے دوسروں سے غصے ہو جایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! (میں نے اُنہیں فائدہ پہنچایا ہے) وہ اب بالائی طبقے میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے حصے میں ہوتے۔“

(صحيح البخاري : 548/1، ح : 3883، صحيح مسلم : 115/1، ح : 209)

حافظ سہیلی رحمہ اللہ (508- 581ھ) فرماتے ہیں: **وَظَاهِرُ الْحَدِيثِ يَقْتَضِي أَنّ عَبْدَ الْمُطّلِبِ مَاتَ عَلَى الشّرْكِ .** ”اس حدیث کے ظاہری الفاظ اس بات کے متقاضی ہیں کہ عبد المطلب شرک پر فوت ہوئے تھے۔“(الروض الانف : 19/4)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773- 852ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: **فَهٰذَا شَأْنُ مَنْ مَّاتَ عَلَى الْكُفْرِ، فَلَوْ كَانَ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيدِ لَنَجَا مِنَ النَّارِ أَصْلًا، وَالْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ وَالْأَخْبَارُ الْمُتَكَاثِرَةُ طَافِحَةٌ بِذٰلِكَ .** ”یہ صورتحال تو اس شخص کی ہوتی ہے جو کفر پر فوت ہوا ہو۔ اگر ابو طالب توحید پر فوت ہوتے تو آگ سے مکمل طور پر نجات پا جاتے۔ لیکن بہت سی صحیح احادیث و اخبار اس (کفر ابو طالب) سے لبریز ہیں۔“(الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر : 241/7)

دلیل نمبر 5 : سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ، فَقَالَ :« لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ » ”انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو سنا۔ آپ کے پاس آپ کے چچا (ابو طالب) کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شاید کہ اُن کو میری سفارش قیامت کے دن فائدہ دے اور اُن کو جہنم کے بالائی طبقے میں رکھا جائے جہاں عذاب صرف ٹخنوں تک ہو اور جس سے (صرف) اُن کا دماغ کھولے گا۔“

(صحيح البخاري : 548/1، ح : 3885، صحيح مسلم :1/ 115، ح : 210)

دلیل نمبر 6 : سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ**

بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ » ”جہنمیوں میں سے سب سے ہلکے عذاب والے شخص ابو طالب ہوں گے۔ وہ آگ کے دو جُوتے پہنے ہوں گے جن کی وجہ سے اُن کا دماغ کھَول رہا ہو گا۔“ (صحیح مسلم: 115/1، ح: 212)

دلیل نمبر 7 : خلیفہ راشد سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا تُوُفِّيَ أَبِي أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ : إِنَّ عَمَّكَ قَدْ تُوُفِّيَ قَالَ : « اذْهَبْ فَوَارِهِ »، قُلْتُ : إِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا، قَالَ : « اذْهَبْ فَوَارِهِ وَلاَ تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي »، فَفَعَلْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَغْتَسِلَ ۔

”جب میرے والد فوت ہوئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: آپ کے چچا فوت ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جا کر انہیں دفنا دیں۔ میں نے عرض کی: یقیناً وہ تو مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جائیں اور انہیں دفنا دیں، لیکن جب تک میرے پاس واپس نہ آئیں کوئی نیا کام نہ کریں۔ میں نے ایسا کیا، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے غسل کرنے کا حکم فرمایا۔“
(مسند الطيالسي: ص 19، ح: 120، وسندهٗ حسن متصل)

ایک روایت کے الفاظ ہیں: إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ مَاتَ، فَمَنْ يُوَارِيهِ ؟ قَالَ : « اذْهَبْ فَوَارِ أَبَاكَ - - - » ”(سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ کے گمراہ چچا فوت ہو گئے ہیں۔ ان کو کون دفنائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جائیں اور اپنے والد کو دفنا دیں)۔“ (مسند الامام احمد: 97/1، سنن ابي داؤد: 3214، سنن النسائي: 190، 2008، واللفظ لهٗ، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (كما في الاصابة لابن حجر: 114/7) اور امام ابنِ جارود رحمۃ اللہ علیہما (550) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

یہ حدیث نص قطعی ہے کہ ابو طالب مسلمان نہیں تھے۔ اس پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ تک نہیں پڑھی۔

دلیل نمبر 8 : سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا انتہائی واضح بیان ملاحظہ ہو:

وَكَانَ عَقِيلٌ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ هُوَ وَطَالِبٌ، وَلَمْ يَرِثْهُ جَعْفَرٌ وَلاَ عَلِيٌّ –رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا– شَيْئًا، لأَنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ، وَكَانَ عَقِيلٌ وَطَالِبٌ كَافِرَيْنِ.

”عَقیل اور طالب دونوں ابو طالب کے وارث بنے تھے، لیکن (ابو طالب کے بیٹے) سیّدنا جعفر اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہما نے اُن کی وراثت سے کچھ بھی نہیں لیا کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے جبکہ عَقیل اور طالب دونوں کافر تھے۔“

(صحیح البخاري: 216/1، 1588، صحیح مسلم: 33/2، ح: 1614 مختصرًا)

یہ روایت بھی بیّن دلیل ہے کہ ابو طالب کفر کی حالت میں فوت ہو گئے تھے۔ اسی لیے عَقیل اور طالب کے برعکس سیّدنا جعفر اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہما اُن کے وارث نہیں بنے کیونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے: **« لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلاَ يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ »** ”نہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے نہ کافر مسلمان کا۔“

(صحیح البخاري: 551/2، ح: 6764، صحیح مسلم: 33/2، ح: 1614)

امام ابنِ عساکر رحمہ اللہ (499۔ 571ھ) فرماتے ہیں: **وَقِيلَ: إِنَّهُ أَسْلَمَ، وَلَا يَصِحُّ إِسْلَامُهُ .** ”ایک قول یہ بھی ہے کہ ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے، لیکن ان کا مسلمان ہونا ثابت نہیں ہے۔“ (تاریخ ابن عساکر: 307/66)

ابو طالب کے ایمان لائے بغیر فوت ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ وہ یقیناً پوری زندگی اسلام دوست رہے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے لیے وہ ہمیشہ اپنے دل میں ایک نرم گوشہ رکھتے رہے لیکن اللہ کی مرضی کہ وہ اسلام کی دولت سے سرفراز نہ ہو پائے۔ اس لیے ہم اُن کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے کے باوجود دُعا گو نہیں ہو سکتے۔

حافظ ابنِ کثیر ?(700- 774ھ) ابو طالب کے کفر پر فوت ہونے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **وَلَوْلَا مَا نَهَانَا اللهُ عَنْهُ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ لَاسْتَغْفَرْنَا**

لِأَبِي طَالِبٍ وَتَرَحَّمْنَا عَلَيْهِ ! "اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم ابو طالب کے لیے استغفار کرتے اور اُن کے لیے رحم کی دُعا بھی کرتے!" (سیرۃ الرسول لابن کثیر: 132/2)

ایمانِ ابو طالب پر دلائل کا تحقیقی جائزہ!

بعض لوگ ابو طالب کے ایمان پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان کا مختصر اور تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

① مشہور شیعہ طبرسی (م: 548ھ) لکھتے ہیں: وَقَدْ ثَبَتَ إِجْمَاعُ أَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ عَلَى إِيْمَانِ أَبِي طَالِبٍ، وَإِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ .

"اہل بیت علیہم السلام کا ابو طالب کے مؤمن ہونے پر اجماع ثابت ہے اور ان کا اجماع حجت ہے۔" (تفسیر مجمع البیان للطبرسي: 31/4)

یہ دعویٰ اجماع نری دروغ گوئی ہے۔ یہ اجماع کہیں زیرِ زمین ہوا ہو گا۔ اس زمین کے سینے پر اس طرح کا کوئی اجماع نہیں ہوا۔ اجماع تو کُجا، اہلِ بیت میں سے کسی ایک فرد سے باسندِ صحیح ایمانِ ابو طالب کو ثابت کر دیا جائے۔ اگر ثابت نہ ہو سکے تو ابو طالب کے کفر کی حالت میں فوت ہونے پر دلائل مان لیے جانے چاہئیں۔

② سیّدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: فَلَمّا رَأَى حِرْصَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَا ابْنَ أَخِي ! وَاللّٰهِ، لَوْلَا مَخَافَةُ السَّبَّةِ عَلَيْكَ وَعَلَى بَنِي أَبِيك مِنْ بَعْدِي، وَأَنْ تَظُنَّ قُرَيْشٌ أَنِّي إِنّمَا قُلْتها جَزَعًا مِنَ الْمَوْتِ لَقُلْتهَا، لَا أَقُولُهَا إِلَّا لِأَسُرَّكَ بِهَا، قَالَ : فَلَمَّا تَقَارَبَ مِنْ أَبِي طَالِبٍ الْمَوْتُ قَالَ : نَظَرَ الْعَبّاسُ إِلَيْهِ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ، قَالَ : فَأَصْغَى إِلَيْهِ بِأُذُنِهِ، قَالَ: فَقَالَ : يَا ابْنَ أَخِي ! وَاللّٰهِ، لَقَدْ قَالَ أَخِي الْكَلِمَةَ الَّتِي أَمَرْتَهُ أَنْ يَقُولَهَا، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَمْ أَسْمَع . "جب ابو طالب نے اپنے (ایمان کے) بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص دیکھی تو کہا: اے بھتیجے! اللہ کی

قسم، اگر مجھے اپنے بعد آپ اور آپ کے بھائیوں پر طعن و تشنیع کا خطرہ نہ ہوتا، نیز قریش یہ نہ سمجھتے کہ میں نے موت کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھا ہے تو میں کلمہ پڑھ لیتا۔ میں صرف آپ کو خوش کرنے کے لیے ایسا کروں گا۔ پھر جب ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو عبّاس نے اُن کو ہونٹ ہلاتے دیکھا۔ اُنہوں نے اپنا کان لگایا اور (رسول اللہ ﷺ سے) کہا: اے بھتیجے! یقیناً میرے بھائی نے وہ بات کہہ دی ہے جس کے کہنے کا آپ نے اُنہیں حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔" (السیرۃ لابن ھشام: 417/1، 418، المغازي لیونس بن بکیر: ص 238، دلائل النبوۃ للبیہقي: 346/2)

تبصرہ: یہ روایت سخت "ضعیف" ہے، کیونکہ:

(أ) حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (499- 571ھ) لکھتے ہیں: **هٰذَا الْحَدِيثُ فِي بَعْضِ إِسْنَادِهِ مَنْ يُّجْهَلُ، وَالْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ تَدُلُّ عَلٰى مَوْتِهِ كَافِرًا .**

"اس حدیث کی سند کا ایک راوی نامعلوم ہے۔ اس کے برعکس صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔" (تاریخ ابن عساکر: 333/66)

(ب) حافظ بیہقی رحمہ اللہ (384- 458ھ) فرماتے ہیں: **هٰذَا إِسْنَادٌ مُّنْقَطِعٌ، وَلَمْ يَكُنْ أَسْلَمَ الْعَبَّاسُ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ، وَحِينَ أَسْلَمَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ مَا فِي الْحَدِيثِ الثَّابِتِ - - - : يَا رَسُولَ اللَّهِ!هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ ، فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ ؟ قَالَ : « نَعَمْ، هُوَ فِى ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، لَوْلاَ أَنَا لَكَانَ فِى الدَّرَكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ » رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ .**

"یہ سند منقطع ہے۔ نیز ابو طالب کی وفات کے وقت تک تو سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے ابو طالب کی حالت کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے وہ بات کی جو صحیح حدیث میں موجود ہے کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ابو طالب کو کوئی فائدہ دیا ہے، وہ تو آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے دوسروں سے غصے ہو جایا

کرتے تھے؟اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ اب جہنم کے بالائی طبقے میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوتے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔"
(دلائل النبوۃ للبیہقي : 346/2)

(ج) حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں: هذا لا يصحّ، ولو كان سمعه العبّاس يقولها لما سأل النبيّ صلّى الله عليه وسلّم، وقال: هل نفعت عمّك بشيء، ولما قال عليّ بعد موته : يا رسول الله ! إنّ عمّك الشيخ الضالّ قد مات . "یہ روایت صحیح نہیں۔ اگر سیّدنا عبّاس رضی اللہ عنہما نے اس بات کو سنا ہوتا تو وہ کبھی بھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے نہ کہتے کہ کیا آپ نے اپنے چچا کو کوئی فائدہ دیا ہے؟ نیز سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اُن کی وفات کے بعد یہ نہ کہتے کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے۔"(تاریخ الاسلام للذہبي : 149/2)

نیز لکھتے ہیں: إسناده ضعيف، لأنّ فيه مجهولا، وأيضا فكان العبّاس ذلك الوقت على جاهليّته، ولهذا إن صحّ الحديث لم يقبل النبيّ صلّى الله عليه وسلّم روايته، وقال له : لم أسمع، وقد تقدّم أنّه بعد إسلامه قال : يا رسول الله ! هل نفعت أبا طالب بشيء فإنّه كان يحوطك ويغضب لك ؟ فلو كان العبّاس عنده علم من إسلام أخيه أبي طالب لما قال هذا، ولما سكت عند قول النبيّ صلّى الله عليه وسلّم :« هو في ضحضاح من النار »، ولقال: إنّي سمعته يقول : لا إله إلّا الله، ولكنّ الرافضة قوم بهت . "اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک مجہول راوی موجود ہے۔ نیز اس وقت سیّدنا عبّاس رضی اللہ عنہ جاہلیت میں تھے، لہٰذا اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو نبیٔ اکرم ﷺ نے اُن کی یہ روایت قبول ہی نہیں کی اور فرمایا: میں نے تو نہیں سنا۔ پھر یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد کہا تھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنے چچا کو کوئی فائدہ پہنچایا ہے؟ وہ تو آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے غصے ہو جایا کرتے

تھے۔ اگر سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بھائی (ابو طالب) کے مسلمان ہونے کا علم ہوتا تو وہ یہ بات نہ کہتے، نہ وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سننے کے بعد خاموش رہتے کہ ابو طالب جہنم کے بالائی طبقے میں ہیں۔ وہ ضرور پکار اُٹھتے کہ میں نے تو اُنہیں لا الٰہ الا اللّٰہ کہتے سنا ہے۔ لیکن (کیا کریں کہ) رافضی مبہوت لوگ ہیں۔" (تاریخ الاسلام: 151/2)

(ڈ) حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (700- 774ھ) فرماتے ہیں: **إنّ في السند مبهما لا يعرف حاله، وهو قول عن بعض أهله، وهذا إبهام في الاسم والحال، ومثله يتوقّف فيه لو انفرد ..... والخبر عندي ما صحّ لضعف في سنده .**

"اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، نیز یہ اُس کے بعض اہل کی بات ہے جو کہ نام اور حالات دونوں میں ابہام ہے۔ اس جیسے راوی کی روایت اگر منفرد ہو تو اس میں توقف کیا جاتا ہے --- میرے نزدیک یہ روایت سند کے ضعیف ہونے کی بنا پر صحیح نہیں۔" (البداية والنهاية لابن كثير: 3/123- 125)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773- 852ھ) لکھتے ہیں: **بسند فيه من لم يسمّ ----- وهذا الحديث لو كان طريقه صحيحا لعارضه هذا الحديث الّذي هو أصحّ منه فضلا عن أنّه لا يصحّ .** "یہ روایت ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں ایک راوی کا نام ہی بیان نہیں کیا گیا---اس حدیث کی سند اگر صحیح بھی ہو تو یہ اپنے سے زیادہ صحیح حدیث کے معارض ہے۔ اس کا صحیح نہ ہونا مستزاد ہے۔"
(فتح الباري لابن حجر: 184/7)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (762- 855ھ) لکھتے ہیں: **في سند هذا الحديث مبهم لا يعرف حاله، وهذا إبهام في الاسم والحال، ومثله يتوقف فيه لو انفرد .**

"اس حدیث کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ نام اور حالات دونوں مجہول ہیں۔ اس جیسے راوی کی روایت اگر منفرد ہو تو اس میں توقف کیا جاتا ہے۔" (شرح ابي داود للعيني الحنفي: 172/6)

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق بن یسار مدنی راوی ہیں جو ہمارے نزدیک تو "موثق، حسن الحدیث" ہیں لیکن بعض نفس پرست حضرات اس بے چارے کی اس روایت پر تو، جو ان کے مذہب کے خلاف ہو، جرحی نشتر چلاتے ہیں، جبکہ اپنے موافق روایات کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے؟

ابو طالب کے کفر پر فوت ہونے پر قرآنی صراحت اور بہت سی صحیح احادیث کو ترک کر کے ایک "ضعیف" روایت کی بنیاد پر اس کے اسلام و ایمان کو ثابت کرنا انصاف نہیں!

③ اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث کہتے ہیں: **قال العبّاس : یا رسول الله ! أترجوا لأبي طالب ؟ قال : كلّ الخير أرجوا من ربّي، یعني لأبي طالب.**

"عبّاس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ابو طالب کے لیے کوئی اُمید رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے ربّ سے ابو طالب کے لیے ہر خیر کی اُمید رکھتا ہوں۔"

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 124/1، تاریخ ابن عساکر: 336/66)

تبصرہ: یہ روایت "ضعیف" ہے۔ اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث تابعی ہیں اور ڈائریکٹ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کر رہے ہیں لہٰذا یہ مرسل ہونے کی وجہ سے "منقطع" اور "ضعیف" ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تو اس راوی کے بارے میں فرماتے ہیں: **وذكر ابن حبّان في ثقات أتباع التابعين، ومقتضاه عنده أنّ روايته عن الصحابة مرسلة.**

"امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ تبع تابعین میں ذکر کیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی صحابہ کرام سے روایت مرسل ہوتی ہے۔"

(تہذیب التہذیب لابن حجر: 210/1)

اس بنیاد پر یہ روایت "معضل" یعنی دوہری منقطع ہو جائے گی۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) کا یہ فیصلہ بھی سنتے جائیں: **ووقفت علی جزء جمعه بعض أهل الرفض، أكثر فيه من الأحاديث الواهية الدالّة علی**

إسلام أبي طالب، ولا يثبت من ذلک شيء . ”مجھے ایک ایسے جزء پر واقفیت ہوئی ہے جسے کسی رافضی نے جمع کیا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی کمزور روایات ہیں جو ابو طالب کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔“
(فتح الباري لابن حجر : 148/7)

ایک قرآنی ”دلیل“!

شیعہ لوگ ابو طالب کی نجات کے بارے میں ایک دلیل قرآنِ کریم کی اس آیت کو بناتے ہیں: ﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ الأعراف : ١٥٧۔
”پس جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایمان لائے اور آپ کی نصرت و تائید کی اور اُس نور کی پیروی کی جو آپ پر نازل کیا گیا، وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“

شیعہ کا ابو طالب کے بارے میں کہنا ہے کہ: ”اس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت کی، آپ کے لیے آپ کے دشمنوں سے دشمنی مُول لے رکھی تھی، لہٰذا وہ فلاح پا گیا۔“

اس کے ردّ و جواب میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں: وهذا مبلغهم من العلم ! وإنّا نسلم أنّه نصره وبالغ في ذلك، لكنّه لم يتّبع النور الّذي أنزل معه، وهو الكتاب العزيز الداعي إلى التوحيد، ولا يحصل الفلاح إلّا بحصول ما رتّب عليه من الصفات كلّها . ”یہ ان کا مبلغِ علم ہے! ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید کی تھی اور بہت زیادہ کی تھی لیکن انہوں نے اس نُور کی پیروی تو نہیں کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا۔ یہ نُور وہ کتابِ عزیز (قرآنِ کریم) ہے جو توحید کی طرف دعوت دیتا ہے۔ کامیابی تو تب ہی حاصل ہو گی جب اس کے لیے بیان کی گئی تمام صفات حاصل ہوں گی۔“
(الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر : 241/7)

تنبیہ نمبر 1 : جناب عطاء محمد بندیالوی بریلوی لکھتے ہیں:

"محققین اہل سنت کے نزدیک حضرت عبد المطلب موَحّد تھے تو عبد المطلب کے ملت پر ہونا تو توحید کا اقرار ہے۔" (تحقیق ایمان ابو طالب : ص 42)

اگر اہل سنت سے مراد اس دَور کے شرک و بدعت میں ڈوبے ہوئے نام نہاد اہل سنت مُراد ہیں تو عجب نہیں، لیکن اگر سلف صالحین کے منہج پر چلنے والے اصلی اہل سنت والجماعت مراد ہیں تو یہ انتہائی جہالت اور دروغ گوئی ہے، کیونکہ عبد المطلب کا دین، محمد ﷺ کے دین کے سراسر خلاف تھا۔ عبد المطلب مسلمان نہیں تھے، جیسا کہ درجِ ذیل حدیث سے عیاں ہے۔ سیّدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: بَيْنَمَا نَحْنُ نَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ –صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– إِذْ بَصَرَ بِامْرَأَةٍ، لَا نَظُنُّ أَنَّهُ عَرَفَهَا، فَلَمَّا تَوَجَّهْنَا الطَّرِيقَ وَقَفَ حَتَّى انْتَهَتْ إِلَيْهِ، فَإِذَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– فَقَالَ : « مَا أَخْرَجَكِ مِنْ بَيْتِكِ يَا فَاطِمَةُ ؟ »، قَالَتْ : أَتَيْتُ أَهْلَ هَذَا الْبَيْتِ فَرَحَّمْتُ إِلَيْهِمْ مَيِّتَهُمْ وَعَزَّيْتُهُمْ، فَقَالَ : « لَعَلَّكِ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدَى »، قَالَتْ : مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ أَكُونَ بَلَغْتُهَا مَعَهُمْ، وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَذْكُرُ فِي ذَلِكَ مَا تَذْكُرُ، قَالَ : « لَوْ بَلَغْتِهَا مَعَهُمْ مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ حَتَّى يَرَاهَا جَدُّ أَبِيكِ » . "ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا۔ ہمارا خیال نہیں تھا کہ آپ اسے پہچان گئے ہوں گے۔ جب ہم راستے کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ رُک گئے حتی کہ وہ عورت آپ کے پاس آگئی۔ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی صاحبزادی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے فاطمہ! آپ گھر سے کیوں نکلیں؟ اُنہوں نے عرض کیا: میں اِن گھر والوں کے پاس آئی تھی اور ان کے مرنے والے کے لیے رحم کی دُعا کی اور انہیں تسلی دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید کہ آپ اُن کے ساتھ قبرستان بھی پہنچی ہیں؟ انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ اس بات سے کہ میں اُن کے ساتھ قبرستان جاتی، جبکہ میں نے آپ سے اس بارے میں وہ باتیں سُن رکھی ہیں جو

آپ فرمایا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ اُن کے ساتھ قبرستان پہنچ جاتیں تو اس وقت تک جنت کو نہ دیکھ پاتیں جب تک آپ کے والد کے دادا اُسے نہ دیکھ لیتے۔" (مسند الامام احمد : 168/2، 223/2، سنن ابي داوٗد : 3123 مختصرا، سنن النسائي : 1881، وسندہٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (3177) نے "صحیح" قرار دیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (373/1، 374) نے اسے "صحیح علی شرط الشیخین" قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کا راوی ربیعہ بن سیف جمہور محدثین کرام کے نزدیک "حسن الحدیث" ہے۔

اس حدیث کے تحت امام بیہقی رحمہ اللہ (384- 458ھ) فرماتے ہیں: **جدّ أبيها عبد المطّلب بن هاشم ----- وكانوا يعبدون الوثن حتّى ماتوا، ولم يدينوا دين عيسى ابن مريم عليه السلام ؟ وأمرهم لا يقدح في نسب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، لأنّ أنكحة الكفّار صحيحة، ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد، ولا مفارقتهنّ إذا كان مثله يجوز في الإسلام .**

"سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والدِ محترم کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم تھے --- یہ لوگ مرتے دَم تک بتوں کی پُوجا کرتے رہے تھے۔ انہوں نے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دین قبول نہیں کیا تھا۔ البتہ ان کا یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے نسب میں کوئی عیب کا باعث نہیں، کیونکہ کفار کے کیے گئے نکاح دُرست ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ کفّار جب اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوتے ہیں تو ان کو نیا نکاح یا اپنی بیویوں سے جُدائی اختیار نہیں کرنی پڑتی، کیونکہ اسلام میں اس طرح کی صورت جائز ہے۔" (دلائل النبوة للبيهقي : 192/1- 193)

معلوم ہوا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے دادا عبد المطلب جاہلیت کے دین پر قائم تھے اور اسی پر اُن کی وفات ہوئی تھی۔ یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ شیعہ اس کے بالکل برعکس کہتے ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (700- 774ھ) فرماتے ہیں: **والمقصود أنّ عبد المطلّب مات على ما كان عليه من دين الجاهلية، خلافا لفرقة الشيعة فيه وفي ابنه أبي طالب .** "مقصود یہ ہے کہ عبد المطلب اُسی دین جاہلیت پر فوت ہوئے تھے جس پر وہ قائم تھے۔ شیعہ کا اُن کے بارے میں اور اُن کے بیٹے ابو طالب کے بارے میں نظریہ اس کے برعکس ہے۔" (السیرۃ لابن کثیر: 1/239،238)

نیز عطاء محمد بریلوی صاحب لکھتے ہیں: "اگر حضرت ابو طالب کے ایمان سے انکار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ کافر کو مؤمن سے نرم عذاب ہو اور یہ خلافِ عدل اور خلافِ اجماع ہے۔" (تحقیق ایمان ابو طالب: ص 44)

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جو کہ عدل کے عین موافق ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا ابو طالب کے حق میں سفارش کرنا ثابت ہو گیا ہے۔ آپ کی شفاعت کی وجہ سے اُن کا عذاب ہلکا ہے۔ یہ واحد شخص ہیں جو ایمان نہ لانے کے باوجود نبیِ اکرم ﷺ کی شفاعت کے حقدار ہوئے ہیں اور اس وجہ سے ان کا عذاب بھی ہلکا ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس بارے میں احادیث کے ذریعے ابو طالب کے لیے استثنیٰ ثابت ہو گئی ہے۔

نبیِ اکرم ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوتے۔ معاملہ عدل کے منافی تو تب ہوتا جب گناہ یا جُرم سے زیادہ سزا دی جاتی۔ اس کے برعکس اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عذاب کو اپنے نبی کی شفاعت کی وجہ سے ہلکا کرتا ہے تو یہ اُس کا فضل و کرم ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ کافروں کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ ابو طالب مؤمن تھے، اسی لیے اُن کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ابو طالب فوت ہوتے وقت ایمان لائے تھے، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو پھر اُن کو عذاب دینا ہی قرآن و سنت کی تعلیمات اور عدل کے

تقاضوں کے منافی ہے، کیونکہ جو ایمان کی حالت میں مرتا ہے، اُسی حالت میں اُٹھایا جاتا ہے۔ جب قرآن وسنت میں اُن کے لیے عذاب ثابت ہو گیا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ رہی بات عذاب کی تخفیف کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو طالب کا عذاب بعد میں ہلکا نہیں ہوا، بلکہ نبیٔ اکرم ﷺ کی شفاعت کی بنا پر شروع سے ہی ہلکا رکھا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کافروں کے عذاب کے ہلکا نہ کیے جانے والا اُصول عام ہے جبکہ ابو طالب کے عذاب کو ہلکا کیے جانے والا واقعہ خاص ہے۔ جب عام اور خاص میں تعارض ہو تو اُصول کے مطابق خاص واقعے کو مقدّم اور عام سے مستثنٰی خیال کیا جاتا ہے۔

رہی عطاء محمد صاحب کی یہ بات کہ "اگر حضرت ابو طالب کے ایمان سے انکار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ کافر کو مؤمن سے نرم عذاب ہو----" تو یہ بندیالوی صاحب کی غفلتِ علمی ہے، کیونکہ یہ بات تو قرآن وسنت کی روشنی میں طے ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوا تو وہ آخر کار جہنم سے آزادی پا جائے گا، لیکن کفار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے۔ جب بات ایسے ہے تو کسی مؤمن کو اگر عارضی طور پر بہت سخت عذاب بھی ہو تو یہ کسی کافر کے ہمیشہ ہمیشہ کے ہلکے عذاب سے یقیناً کروڑوں، اربوں، بلکہ بے شمار گنا کم ہو گا۔

انصاف پسند قارئین ضرور حقیقت کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین هذا ما عندی، واللّٰه أعلم بالصواب!

ہر دور کا اجماع حجت ہوتا ہے

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (195- 277ھ) فرماتے ہیں:

واتّفاق اهل الحديث على شيء يكون حجّة "اہل الحدیث کا کسی مسئلے میں متفق ہو جانا حجت ہوتا ہے۔" (المراسیل لابن ابی حاتم: 192)

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور ماہنامہ "اشراق"

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

جنوری 2011 کے ماہنامہ اشراق پر نظر پڑی۔ صفحہ نمبر 45 اور 46 میں جناب عمار خان ناصر نے ڈاڑھی کی شرعی حیثیت کے متعلق ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

یہ جواب پڑھ کر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ اس حوالے سے ہم دو باتوں کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرنا چاہیں گے۔ ایک تو ڈاڑھی کی شرعی حیثیت کی تعیین میں جناب جاوید احمد غامدی کا تضاد اور دوسرے ڈاڑھی کو شعائرِ اسلام سے خارج کرنے کے حوالے سے جناب عمار خان ناصر کی سعیِ لاحاصل۔ آیئے ملاحظہ فرمایئے:

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور غامدی صاحب کا تضاد:

جناب عمار خان ناصر لکھتے ہیں: "دین میں ڈاڑھی کی حیثیت کے بارے میں استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے دو قول ہیں۔ قولِ جدید کے مطابق یہ ان کے نزدیک کوئی دینی نوعیت رکھنے والی چیز نہیں، جبکہ قولِ قدیم یہ ہے کہ اسے دین کے ایک شعار اور انبیاء کی سنت کی حیثیت حاصل ہے۔" (ماہنامہ اشراق، شمارہ جنوری 2011، ص 45)

کسی ایسے مسئلہ میں ایک شخص کی رائے یا تحقیق بدل جانا کوئی معیوب بات نہیں جو امتِ مسلمہ کے مابین اختلافی ہو، لیکن ایک ایسا اَمر جو ضروریات و مطلوباتِ دین میں سے ہو اور جس کے شعارِ اسلام ہونے پر صحابہ کرام سے لے کر پوری امتِ مسلمہ کا کلمہ ایک رہا ہو، کسی دَور میں بھی مسلمانوں کی اس بارے میں دو رائے نہ ہوئی ہوں، نیز جسے خود غامدی صاحب ایک دَور میں "نبیوں کی سنت، ملّتِ اسلامی میں سنتِ متواترہ، فطرت کا تقاضا، ملّتِ اسلامیہ کا شعار" قرار دے چکے ہوں اور ڈاڑھی نہ رکھنے والے شخص کو کھلے الفاظ میں عملی طور پر ملتِ اسلامی سے خارج بھی کہہ چکے ہوں، ایسے فطری اور اٹل اَمر کے بارے میں

ایک مُدّت بعد ”کوئی دینی نوعیت رکھنے والی چیز نہیں“ کا غیر فطری فتویٰ، مفاد پرستی اور ہویٰ پرستی کے سوا کسی اور نام سے موسُوم نہیں ہو سکتا۔

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت پر بہت کچھ لکھا جا چُکا ہے۔ اس حوالے سے کتاب و سنت کی نُصوص اور ہر دَور کے علمائے اُمت کے اقوال کا یہ مختصر مضمون متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ یہاں پر ہم غامدی صاحب کے وہ الفاظ نقل کرنے پر ہی اکتفا کریں گے، جو انہوں نے آج سے تقریباً 25 سال پہلے اسی ماہنامہ ”اشراق“ میں لکھے تھے، وہ کہتے ہیں:

”ڈاڑھی نبیوں کی سنت ہے۔ ملت اسلامی میں یہ ایک سنتِ متواترہ کی حیثیت سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے اسے اُن دس چیزوں میں شمار کیا ہے جو آپ کے ارشاد کے مطابق اُس فطرت کا تقاضا ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور قرآنِ مجید نے فرمایا ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ الروم : ۳۰، (اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔) بنی آدم کی قدیم ترین روایت ہے کہ مختلف اقوام و ملل اپنی شناخت کے لیے کچھ علامات مقرر کرتی ہیں۔ یہ علامات اُن کے لیے ہمیشہ نہایت قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ زندہ قومیں اپنی کسی علامت کو ترک کرتی ہیں نہ اس کی اہانت گوارا کرتی ہیں۔ اِس زمانے میں جھنڈے اور ترانے اور اِس طرح کی دوسری چیزوں کو ہر قوم میں یہی حیثیت حاصل ہے۔ دین کی بنیاد پر جو ملت وجود میں آتی ہے، اس کی علامات میں سے ایک یہ ڈاڑھی ہے۔ نبی ﷺ نے جن دَس چیزوں کو فطرت میں سے قرار دیا ہے، اُن میں سے ایک ختنہ بھی ہے۔ ختنہ ملتِ ابراہیمی کی علامت یا شِعار ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ڈاڑھی کی حیثیت بھی اِس ملت کے شِعار کی ہے، چنانچہ کوئی شخص اگر ڈاڑھی نہیں رکھتا تو وہ گویا اپنے اس عمل سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ ملتِ اسلامی میں شامل نہیں

ہے۔ اس زمانے میں کوئی شخص اگر اس ملک کے عَلَم اور ترانے کو غیر ضروری قرار دے تو ہمارے یہ دانش وَر اُمید نہیں ہے کہ اُسے یہاں جینے کی اِجازت دینے کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ دین کے ایک شِعار سے بے پروائی اور بعض مواقع پر اس کی اہانت ان لوگوں کا شِعار بن چُکا ہے۔ ہمیں اِن کے مقابلے میں بہر حال اپنے شِعار پر قائم رہنا چاہیے۔"(ماهنامه اشراق ، شمارہ ستمبر 1986، بحواله ماهنامه اشراق ، جنوری 2011، ص 45، 46)

غامدی صاحب کی اس تحریر سے کم از کم یہ دَس نِکات تو واضح طور پر اُبھر کر سامنے آ رہے ہیں:

① ڈاڑھی تمام انبیائے کرام کی سنّت ہے۔
② ملتِ اسلامیہ میں یہ ایک سنتِ متواترہ کی حیثیت رکھتی ہے۔
③ ڈاڑھی فطرت کا تقاضا ہے۔
④ فطرت میں تبدیلی کرنا حرام ہے۔
⑤ ڈاڑھی شِعارِ اسلام ہے۔
⑥ ڈاڑھی ملتِ اسلامیہ کی بھی علامت اور شِعار ہے۔
⑦ کوئی زندہ دل مسلمان ڈاڑھی کو ترک کر سکتا ہے نہ اس کی اہانت کر سکتا ہے۔
⑧ ڈاڑھی نہ رکھنے والا شخص ملتِ اسلامیہ سے خارج ہونے کا (کم از کم عملی طور پر تو) اعلان کرتا ہے۔
⑨ ڈاڑھی جیسے شِعار سے بے پروائی اور اِس کی اہانت نام نہاد دانشوروں کا شِعار ہے۔
⑩ حالات جیسے بھی ہوں، ہر دَور میں حقیقی مسلمانوں کو ڈاڑھی والے شِعار پر قائم رہنا چاہیے۔

لیکن افسوس کہ جب غامدی صاحب نے دیکھا کہ بدلتے حالات میں اِسی رائے پر قائم

رہتے ہوئے اہل مغرب کو خوش نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے دین و مذہب کو مفاد پرستی کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے یہ فتویٰ جاری کر دیا:

"نبی ﷺ نے تکبر کی بنا پر ایسی تمام چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے جن سے امارت کی نمائش ہو یا بڑائی مارنے، شیخی بگھارنے، دوسروں پر رعب جمانے یا اوباشوں کے طریقے پر دھونس دینے والوں کی وضع سے تعلق رکھتی ہوں۔ ریشم پہننے، قیمتی کھالوں کے غلاف بنانے اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے آپ ﷺ نے اسی لئے روکا ہے، یہاں تک کے چھوٹی ڈاڑھی اور بڑی مونچھیں رکھنے والوں کو متکبرانہ وضع ترک کر دینے کی نصیحت کی اور فرمایا کہ اپنا شوق ڈاڑھی بڑھا کر پورا کر لیں، لیکن مونچھیں ہر حال میں چھوٹی رکھیں (اس نصیحت کا صحیح مفہوم یہی تھا مگر لوگوں نے اسے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم سمجھا اور اس طرح ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی)۔" (ماهنامه اشراق، شماره مئی 2007، صفحه 65)

پہلی بات تو یہ ہے کہ کئی چیزوں کی ممانعت میں شرعی حکمت واقعی تکبر و نخوت سے بچانے کی ہی تھی لیکن ڈاڑھی سجانے کا حکم شریعتِ اسلامیہ میں کہیں بھی اس تناظر میں نہیں آیا جس میں غامدی صاحب نے اُسے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یاد رہے کہ ماہنامہ "اشراق" کی مذکورہ بالا عبارت کسی حدیث کا ترجمہ یا مفہوم نہیں، بلکہ محض غامدی صاحب کی اپنی اختراع ہے۔ ویسے یہ بات قابلِ تعجب بھی ہے کہ اس طرح کا "صحیح مفہوم" صرف اور صرف غامدی صاحب کے ذہن میں آیا ہے۔ غامدی صاحب کے طرزِ استدلال سے عیاں ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک صحابہ کرام سے لے کر سلف صالحین و ائمہ دین اور غامدی صاحب کے علاوہ عصرِ حاضر کے تمام علمائے کرام ذہنی طور پر بانجھ ہی رہے ہیں۔ اگر رسولِ اکرم ﷺ کا ڈاڑھی بڑھانے والا فرمان صرف شوق پورا کرنے کی اِجازت ہی تھی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو براہِ راست آپ کے شاگرد تھے، اُن میں سے کسی کو یہ بات کیوں معلوم نہ ہوئی اور پھر اُن سے علمِ دین کی تحصیل کرنے والے تابعین عظام یا اُن کے خوشہ چین ائمہ

دین وسلف صالحین کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہ آئی؟

غامدی صاحب کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کرسکتے جس کا مفہوم یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی رکھنے کا حکم متکبرانہ وضع ترک کرنے کے لیے دیا تھا۔ ویسے اِسی عبارت میں اُنھوں نے یہ بھی لکھاہے کہ "مونچھیں ہر حال میں چھوٹی رکھیں"۔نہ معلوم مونچھیں چھوٹی رکھنے کے حکمِ نبوی کو غامدی صاحب نے متکبرانہ وضع ترک کرنے کے ساتھ خاص کیوں نہیں کیا؟ اور کچھ عجب نہیں کہ ڈاڑھی کی طرح مونچھوں کے بارے میں بھی آیندہ دنوں میں اُن کا فتویٰ تبدیل ہو جائے اور وہ اس کے بارے میں بھی لکھ دیں کہ مونچھیں چھوٹی کرنے کے حکم کا دین سے کوئی تعلق نہیں!!!

پھر یہ بات بھی مدِّ نظر رہنی چاہیے کہ فرمانِ نبوی کی بعید از کار تاویلات کے باوجود غامدی صاحب کے نزدیک ڈاڑھی ملتِ اسلامی کا شِعار اور علامت ضرور ہے لیکن نہ جانے اب اِن کی نظر میں اس کی قدر و قیمت عَلَم اور ترانے جتنی بھی کیوں نہیں رہی؟

یہاں پر ہم صرف ایک حدیثِ رسول پیش کریں گے اور غامدی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو دعوتِ فکر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

«سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ، لَعَنَهُمُ اللَّهُ، وَكُلُّ نَبِيٍّ كَانَ : ---- وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي».

"چھ قسم کے لوگوں پر میں نے لعنت کی ہے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ اور ہر سابقہ نبی نے بھی لعنت کی ہے۔ اُن میں سے ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو میری سنّت کو چھوڑتے ہیں۔"

(جامع الترمذي: 2154، وسندہٗ حسن)

خود غامدی صاحب نے ڈاڑھی کو تمام انبیائے کرام کی سنّت قرار دیا ہے، لہٰذا اُن کے فتوے کے مطابق ڈاڑھی نہ رکھنے والا شخص اللہ تعالیٰ اور تمام انبیائے کرام کی لعنت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنتِ رسول پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

کتمانِ حق کے لیے لفظ و معنیٰ کی شعبدہ بازی!

ماہنامہ "اشراق" میں ڈاڑھی کی شرعی حیثیت کے حوالے سے سوال کا جواب دیتے

ہوئے غامدی صاحب کے شاگرد ناصر صاحب نے کمال ہوشیاری دکھائی ہے۔ وہ یوں کہ ناصر صاحب کے نزدیک ڈاڑھی دینی مطلوبات (ضروریاتِ دین) میں شامل تھی۔ ضروریاتِ دین ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق اُن دینی اُمور پر ہوتا ہے جن کے دین ہونے کا انکار کرنے کے بعد آدمی کا دین سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جب ڈاڑھی ناصر صاحب کے نزدیک ضروریاتِ دین میں شامل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دین ہونے کا منکر دین دار نہیں ہو سکتا۔ اور خود غامدی صاحب بھی قدیم دور میں کھل کر کہہ چُکے تھے کہ ''کوئی شخص اگر ڈاڑھی نہیں رکھتا تو وہ گویا اپنے اس عمل سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ ملتِ اسلامی میں شامل نہیں ہے۔'' جب عملی طور پر انکار سے ملتِ اسلامی سے خروج لگ جاتا ہے تو پھر سرے سے اس کے دین ہونے سے ہی انکاری ہو جانا بھی لازمی طور پر ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ یوں ناصر صاحب کے قول کی زَد میں غامدی صاحب پُوری طرح آرہے تھے۔

لیکن غامدی صاحب کی اس غلطی کو واضح کرنے کے بجائے ناصر صاحب نے لفظ و معنٰی کی شعبدہ بازی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ: ''میری طالب علمانہ رائے میں ڈاڑھی کو ایک اَمر فطرت کے طور پر دینی مطلوبات میں شمار کرنے کے حوالے سے استاذ گرامی کا قولِ قدیم اقرب الی الصواب ہے---''(اشراق، جنوری 2011 ، ص 46)

حالانکہ جس قول سے غامدی صاحب منحرف ہو چکے ہیں اور جس کو وہ بڑی وضاحت سے بارہا اپنی تحریر و تقریر میں ردّ کر چکے ہیں، اُسے استعمال کر کے اُن کا دِفاع کرنا نہایت عجیب ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اُن کی اس غلطی کو واضح کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ وہ ضروریاتِ دین میں سے ایک اَمر کے انکاری ہوئے جاتے ہیں۔

یوں تو مرزا غلام احمد قادیانی بھی دعوئ نبوت سے پہلے مسلمانوں کی طرح ختمِ نبوت اور رفعِ عیسیٰ علیہ السلام کا قائل تھا اور یہ بات اب تک اس کی بعض کتابوں میں موجود ہے۔ اگر آج کوئی قادیانی نواز ''مسلمان ''ختمِ نبوت اور رفعِ عیسیٰ کے بارے میں کہے کہ: ''اس سلسلے میں

غلام احمد قادیانی کے دو قول ہیں۔ ایک قدیم، یعنی ختمِ نبوت اور رفعِ عیسیٰ کا اثبات اور دوسرا جدید، یعنی ختمِ نبوت اور رفعِ عیسیٰ کا انکار--- میری طالب علمانہ رائے میں ختمِ نبوت اور رفعِ عیسیٰ کے بارے میں مرزا صاحب کی قدیم رائے اقرب الی الصواب ہے۔"

ہر ذی شعور ایسے شخص سے ضرور کہے گا کہ بھئی جب مرزا قادیانی نے اپنی پُرانی رائے کو ردّ کر دیا تھا اور اُسے غلط عقیدہ قرار دے دیا تھا تو اب اس رائے کو اس کی طرف منسوب کرنا اور اسے اقرب الی الصواب کہنا نہ صرف غلط ہے، بلکہ اس کے جرم پر پردہ ڈالنے کی ایک سازش ہے۔ اسی طرح غامدی صاحب اپنی پُرانی رائے کو یہ کہہ کر ردّ کر چکے ہیں کہ:

"اس (ڈاڑھی) کا شریعت کے احکام سے یا دین کے احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل میں غلطی یہی ہوئی ہے، ایک چیز جو دین کے احکام سے متعلق نہیں تھی، اسے دین کے احکام کے متعلق کر دیا گیا ہے---"

(www.youtube.com/watch?v=5EzT829ZSp4)

ڈاڑھی کو شعائرِ اسلام سے خارج کرنے کی ناکام کوشش:

جناب ناصر صاحب نے غامدی صاحب کی مخالفت کرتے ہوئے ڈاڑھی کو مطلوباتِ دین میں تو داخل کر دیا ہے لیکن ساتھ ساتھ اس کے شعارِ اسلام ہونے کا انکار بھی کر دیا ہے۔ بزعمِ خود وہ اس پر دلائل بھی رکھتے ہیں۔ آیئے پہلے اُن کی زبانی وہ دلائل پڑھ لیں اور پھر ہماری طرف سے اُن کا منصفانہ تجزیہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ ناصر صاحب لکھتے ہیں:

"روایات کے مطابق صحابہ و تابعین کے عہد میں بعض مقامات میں مجرم کی تذلیل کے لیے سزا کے طور پر اس کی ڈاڑھی مونڈ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس نوعیت کے فیصلے سیّدنا ابو بکر، سیّدنا عمر، سعد بن ابراہیم اور عمرو بن شعیب سے منقول ہیں۔(مصنف ابن ابی شیبة : 33528، اخبار القضاہ لوکیع : 159/1) اگر یہ حضرات ڈاڑھی کو کوئی باقاعدہ شِعار سمجھتے تو یقیناً مذکورہ فیصلہ نہ کرتے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی علاقے کے مسلمان اجتماعی طور پر کوئی جُرم کریں اور سزا کے طور پر ان کی کسی مسجد کو منہدم کر دیا جائے۔ ظاہر

ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہو گا۔ اسی طرح ڈاڑھی کو دینی شِعار سمجھتے ہوئے اسے تعزیراً مونڈ دینے کا فیصلہ بھی نا قابلِ فہم ہے۔"

افسوس کہ ڈاڑھی کو شعائرِ اسلام سے خارج کرنے کی دُھن میں روایات ذکر کرتے ہوئے غامدی صاحب کے "شاگردِ رشید" نے روایت کے تمام اصول وضوابط کو پس پُشت ڈال دیا ہے۔ اِن حضرات کی بندر بانٹ ملاحظہ فرمائیں کہ اگر اِن کی عقلِ سقیم نہ مانے تو یہ لوگ وہ احادیث بھی پُوری ڈھٹائی سے ردّ کر دیتے ہیں جو چودہ سو سال سے پُوری امتِ مسلمہ کے نزدیک معتبر رہی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی باطل روایت اِن کے باطل نظریات کے موافق ہو تو اس کو قبول کرنے کے سلسلے میں ذرا برابر بھی تامل نہیں کرتے۔

انہوں نے جن روایات کا حوالہ دیا ہے، اُن کا بیان درجِ ذیل ہے:

سیّدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے منسوب روایت:

یہ روایت مصنف ابنِ ابی شیبہ میں دو مقامات پر موجود ہے۔ دونوں مقامات میں امام ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اس کی سند یوں بیان کی ہے: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنِ الْمُثَنّٰى، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ --- "ہمیں عبد الوہاب ثقفی نے بیان کیا۔ وہ مثنیّٰ سے بیان کرتے ہیں اور مثنیّٰ، عمرو بن شعیب سے بیان کرتا ہے۔"

(مصنف ابن ابی شیبة: 51/10، ح: 29279، 496/12، ح: 34225)

ظاہر ہے کہ کسی کی طرف منسوب بات ثابت تب ہی ہو گی جب منسوب کرنے والا شخص قابلِ اعتبار ہو گا۔ اب غور فرمائیں کہ عمرو بن شعیب سے اس بات کو بیان کرنے والا جو شخص مثنیّٰ نامی ہے، درجنوں ائمہ حدیث نے اسے نا قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ ان میں امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام یحییٰ بن معین، امام ابنِ عدی، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام نسائی، امام دار قطنی، امام ساجی، امام ابو احمد الحاکم، امام عُقَیلی، امام ابنِ حبان وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس راوی کے بارے میں ائمہ دین کے خیالات کو اختصاراً یوں بیان

کرتے ہیں: ضعیف، اختلط بأخرة. ”یہ ضعیف راوی تھا، آخر عمر میں تو اس کا حافظہ بھی جواب دے گیا تھا۔“(تقریب التہذیب لابن حجر: ت 6471)

یہ تو تھی عمرو بن شُعَیب کی بات، اب غور فرمائیں کہ اس روایت میں سیّدنا ابو بکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو اس طرح کی بات منسوب ہے، اس میں ایک اَور اُصولی نقص ہے۔ اس روایت میں دونوں مقامات پر عمرو بن شُعَیب کے الفاظ یہ ہیں:

وَبَلَغَنِي أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَ يَفْعَلاَنِهِ . ”مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ سیّدنا ابو بکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما ایسے کرتے تھے۔“

عمرو بن شُعَیب کو یہ بات کس نے بتائی اور کس ذریعے سے اُن کو یہ بات پہنچی، یہ ایسا عُقدہ ہے جو آج تک حَل نہیں ہو سکا۔

یعنی ایک تو عمرو بن شُعَیب سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکی، دوسرے عمرو بن شُعَیب سے سیّدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تک کا واسطہ نامعلوم ہے۔ نہ جانے کس قُماش کے آدمی نے یہ بات سیّدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ذمّے لگائی ہے؟

افسوس کہ ایسی بے سروپا روایت ملی ہے اربابِ ماہنامہ ”اشراق“ کو شعائرِ اسلام پر حملہ کرنے کے لیے!

سعد بن ابراہیم سے منسوب روایت:

رہی بات سعد بن ابراہیم سے منسوب روایت کی تو اس کی بھی دو سندیں ہیں:

① امام بخاری رحمہ اللہ کی سند (التاریخ الکبیر للبخاری: 4/51- 52):

حَدَّثَنِي سهل : نا أبو سلمة : أخبرني الهيثم بن محمّد بن حفص بن دينار مولى بني غفار : كان سعد عند ابن هشام -------

اور امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی سند سے اس روایت کو امام ابنِ عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ (تاریخ دِمشق: 20/216) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (سیر اعلام النبلاء:

420/5) میں بیان کیا ہے۔

② امام (ابو بکر محمد بن خلف بن حیان بن صدقہ) وکیع البغدادی (م: 306ھ) کی سند (اخبار القضاۃ لوکیع: ص 158، 159):

أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنِ الْحَسَن، عَنِ النُّمَيري، عَن ابن سلمة الغِفَاري، عَنِ الهَيثَمِ بْنِ حُمَيْد بْنِ حَفْص بْنِ دِينَار؛ قَالَ : كان سعدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ -------

تھوڑا سا غور کرنے پر ہر شخص بآسانی معلوم کر سکتا ہے کہ دونوں سندوں کا دارومدار الہیثم بن محمد (اخبار القضاۃ میں یہ غلطی سے حُمَید ہو گیا ہے) بن حفص بن دینار نامی راوی پر ہے جو کہ سعد بن ابراہیم سے یہ روایت بیان کر رہا ہے۔

اس کے بارے میں بھی اختصاراً حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ ہی کا قول ملاحظہ فرمالیا جائے:

قال ابن حبان : منكر الحديث على قلّته، لا يحتجّ به، لما فيه من الجهالة والخروج عن العدالة --- وقد قدّمنا أنّ أبا حاتم قال فيه : مجهول ---

"امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس نے بہت کم روایات بیان کی ہیں، پھر بھی اس کی روایات منکر ہیں۔ اس کی روایت کو بطورِ دلیل ذکر کرنا درُست نہیں، کیونکہ یہ نامعلوم اور ثقاہت سے عاری راوی ہے ----- ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے بھی اسے مجہول (نامعلوم) قرار دیا ہے۔" (لسان المیزان لابن حجر: 211/6)

دیگر محدثین کرام نے بھی اسے غیر معتبر راویوں میں ذکر کیا ہے، لیکن امام ابنِ حبّان اور دیگر ائمہ دین کے فیصلے کے خلاف تجدّد پسند ٹولہ ایسے راوی کی روایت کو بطورِ دلیل پیش کرنے پر مُصر ہے۔

قارئین کرام اب خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ جو اَمر سب انبیائے کرام کی سنّت ہو، خیر القرون کے تمام مسلمان اس کے پابند رہے ہوں اور وہ امتِ مسلمہ میں متواتر سنّت کی حیثیت رکھتا ہو، اس کو شعائرِ اسلام سے خارج کرنے کے لیے بھلا اس طرح کی بودی اور بوگس دلیلیں کام آسکتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو معلوم کرنے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

ضعیف + ضعیف = حسن کی حجیّت؟ قسط 4

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

متقدمین اور متاخرین کے منہج کا موازنہ

گذشتہ اقساط میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ائمہ متقدمین میں سے کوئی بھی "ضعیف + ضعیف = حسن" کی حجیّت کا قائل نہیں تھا۔ یہ اُصول بعد کی ایجاد ہے۔ اس حوالے سے ایک مثال پیش کی جا چکی ہے۔ آیئے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

طلبِ علم کے بارے میں ایک مشہور حدیث :

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی بیس سے زائد سندیں ہیں جن میں سے کئی ایک کم ضعف والی ہیں ، اِتنی سندوں کے باوجود متقدمین ائمہ دین میں سے کسی نے اس حدیث کو حسن یا صحیح قرار نہیں دیا۔ جبکہ متاخرین میں سے کئی ایک علمائے کرام نے اسے حسن قرار دیا ہے ۔اس کے بارے میں متقدمین و متاخرین علمائے کرام کا تبصرہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، وہ اس حدیث کی سب سندوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفي كلّ منها مقال، ولذا قال ابن عبد البرّ : إنّه يروى عن أنس من وجوه كثيرة كلّها معلولة لا حجّة في شيء منها عند أهل العلم بالحديث من جهة الاسناد، وقال البزّار : إنّه روي عن أنس بأسانيد واهية - - - -

بل وفي الباب عن أبي وجابر وحذيفة والحسين بن علي وسلمان وسمرة وابن عباس وابن عمر وابن مسعود وعلي ومعاوية بن حيدة ونبيط بن شريط وأبي سعيد وأبي هريرة وأم المؤمنين عائشة وعائشة بنت قدامة وأم هانئ وآخرين - - - - وبسط الكلام في تخريجها العراقي في تخريجه الكبير للإحياء، ومع هذا كلّه قال البيهقي : متنه مشهور وإسناده ضعيف، وقد روي من

أوجه كلّها ضعيفة، وسبقه الإمام أحمد فيما حكاه ابن الجوزي في العلل المتناهية عنه، فقال : إنّه لم يثبت عندنا في هذا الباب شيء - - - -
وقال أبو علي النيسابوري الحافظ : إنّه لم يصحّ عن النبي فيه إسناد، ومثّل به ابن الصلاح للمشهور الذي ليس بصحيح، وتبع في ذلك أيضا الحاكم، ولكن قال العراقي : قد صحّح بعض الأئمّة بعض طرقه كما بيّنته في تخريج الإحياء، وقال المزني : إنّ طرقه تبلغ به رتبة الحسن - - - -

"اِن سب سندوں میں کلام ہے۔ اِسی لیے علامہ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ (368- 463ھ) نے کہا ہے: یہ حدیث سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے لیکن وہ سب کی سب معلول ہیں۔ محدثین کرام کے نزدیک اِن میں سے کوئی بھی سند کے اعتبار سے قابلِ حجت نہیں۔ امام بزّار رحمہ اللہ (م 292ھ) نے فرمایا ہے: یہ روایت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے کمزور سندوں کے ساتھ مروی ہے۔۔۔

بلکہ اس حدیث کے شواہد سیّدنا اُبَیّ، جابر، حذیفہ، حسین بن علی، سلمان، سَمُرہ، ابنِ عباس، ابنِ عمر، ابنِ مسعود، علی، معاویہ بن حیدہ، نُبَیط بن شُریط، ابو سعید، ابو ہریرہ، ام المومنین سیّدہ عائشہ، عائشہ بنتِ قدامہ، امّ ہانی، وغیر ہم رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔۔۔ اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے حافظ عراقی رحمہ اللہ نے تخريج إحياء علوم الدين میں بڑی تفصیل کی ہے۔ اس سب کے باوجود امام بیہقی رحمہ اللہ (384- 458ھ) نے فرمایا ہے کہ اس کا متن تو مشہور ہے لیکن سند ضعیف ہے۔ یہ بہت ساری سندوں سے مروی ہے لیکن سب کی سب ضعیف ہیں۔ اُن سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ (164- 241ھ) نے یہ بات فرمائی تھی، جیسا کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اُن سے العلل المتناهية میں نقل کیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ہمارے نزدیک اس بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔۔۔

ابو علی النیسابوری الحافظ کہتے ہیں: اس بارے میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سند بھی ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اس مشہور کی مثال میں ذکر کیا ہے

جو کہ صحیح ثابت نہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اس حوالے سے اُن کی پیروی کی ہے۔ اس کے بر عکس علامہ عراقی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: بعض ائمہ کرام نے اس کی بعض سندوں کو صحیح کہا ہے جیسا کہ میں نے إحیاء علوم الدین کی تخریج میں بیان کیا ہے۔ مُزَنی کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی سندیں اسے حسن کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔"(المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة للسخاوی: 441/1، 442)

اسی سلسلے میں محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فيحتمل أن يرتقي إلى درجة الحسن كما قال المزّي، فإنّ له طرقا كثيرة جدّا عن أنس، وقد جمعت أنا منها حتّى الآن ثمانية طرق، وروى عن جماعة من الصحابة غير أنس، منهم ابن عمر وأبو سعيد وابن عباس وابن مسعود وعلي، وأنا في صدد جمع بقيّة طرقه لدراستها والنظر فيها حتّى أتمكّن من الحكم عليه بما يستحق من صحّة أو حسن أو ضعف. ثمّ درستها وأوصلتها إلى نحو العشرين في " تخريج مشكلة الفقر " وجزمت بحسنه .** "ممکن ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجے تک پہنچ جائے جیسا کہ حافظ مزّی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کیونکہ اس کی سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی سندیں مروی ہیں۔ میں نے ان میں سے ابھی تک آٹھ سندیں جمع کی ہیں۔ یہ حدیث سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے، ان میں سے سیّدنا ابنِ عمر، ابو سعید، ابنِ عباس، ابنِ مسعود اور علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ میں نے ابھی اس کی باقی سندوں کو جمع کرنے کا کام جاری رکھا ہوا ہے تاکہ اس پر اس کے مناسب صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کا حکم لگا سکوں۔۔۔ پھر میں نے اس کی مکمل تحقیق کر کے اس کی تقریباً بیس سندیں مشکلة الفقر کی تخریج میں ذکر کر دی ہیں اور اس حدیث پر حسن ہونے کا حکم لگا دیا ہے۔"

(سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة للالبانی: 604/1)

دیکھا قارئین کرام آپ نے کہ متقدمین ائمہ کرام اتنی زیادہ سندوں کے باوجود اسے "ضعیف" ہی قرار دیتے رہے ہیں، لیکن متاخرین زیادہ سندوں کی وجہ سے اسے حسن قرار دینے لگے ہیں۔

Sms اور تبلیغِ دین

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا کبیرہ گناہ اور جرمِ عظیم ہے۔ دین کے متعلق جب بھی کوئی بات کریں، وہ ٹھوس اور تحقیق پر مبنی ہونی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ »

”آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرنے لگے۔“

(مقدمۃ صحیح مسلم: 5، طبع دارالسلام، وسندہٗ صحیح)

اللہ ربّ العزت پر جھوٹ باندھنا بھی جُرم عظیم ہے۔ اس کی سزا بھی سن لیں:

﴿ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ تَرَى ٱلَّذِينَ كَذَبُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ﴾ الزمر: ٦٠

”اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہو گا، قیامت کے روز آپ دیکھیں گے کہ اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔“

اگر کوئی مسلمان کسی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فرق نہیں کر سکتا تو اسے چاہیے کہ بغیر تحقیق کے کوئی حدیث بیان نہ کرے جب تک اہل فن سے اس کا حال معلوم نہ کر لے تاکہ حُزم و احتیاط کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔ یاد رہے کہ تبلیغ صرف اور صرف صحیح احادیث کو آگے پہنچانے کا نام ہے۔ بعض لوگ تبلیغ کے جوش میں رطب و یابس بیان کرنے کو سعادتِ دارین خیال کرتے ہیں۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کی ایک تبویب یوں ہے: ذکر رحمة الله جل وعلا من بلغ أمة المصطفى صلى الله عليه و سلم حديثا صحيحا عنه. ”اس بات کا

بیان کہ رسولِ اکرم ﷺ کا جو اُمتی آپ کی ایک صحیح حدیث آگے پہنچاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے۔" (صحیح ابن حبان : 270/1)

امام موصوف نے اس پر بطورِ دلیل یہ فرمانِ نبوی پیش کیا ہے: « رحم الله امرءا سمع مني حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره » "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو میری ایک حدیث سنتا ہے، پھر اسے یاد کرتا ہے حتی کہ کسی اور تک پہنچا دیتا ہے۔"

(صحیح ابن حبان : 67، وسندہٗ صحیح)

اس کے باوجود بعض لوگ خود ساختہ روایات کے Sms کرتے رہتے ہیں، یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ حدیثِ رسول ہے۔ اس کی سنگینی ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا حرام ہے:

نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ » "میری طرف جھوٹ منسوب کرنا کسی عام شخص کی طرف جھوٹ منسوب کرنے جیسا گناہ نہیں، بلکہ جس شخص نے میری طرف جانتے بُوجھتے جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھے۔"

(زیادات الفضائل لعبد اللہ بن احمد : 90، مسند البزار : 1275، مسند ابی یعلی : 966، مشکل الآثار للطحاوی : 350، وسندہٗ صحیح)

امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ (العلل : 420/4)

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّ الَّذِى يَكْذِبُ عَلَيَّ يُبْنَى لَهُ بَيْتٌ فِي النَّارِ » "یہ بات یقینی ہے کہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے، اس کے لیے جہنم میں گھر بنا دیا جاتا ہے۔" (مسند الامام احمد : 144/2، وسندہٗ صحیح)

سیّدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرَى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ ، أَوْ يُرِى عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ ، أَوْ يَقُولُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ – صلى الله عليه وسلم – مَا لَمْ يَقُلْ »

"یقیناً سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہو یا وہ کسی چیز کو دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کرے یا وہ اللہ کے رسول سے ایسی بات منسوب کرے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو۔" (صحیح البخاری: 3509)

متواتر حدیث میں بھی اس بات کی شدید وعید آئی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

« مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ » "جو شخص مجھ پر جانتے بُوجھتے جھوٹ باندھتا ہے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔"

(صحیح البخاری: 110، صحیح مسلم: 3)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (661- 728ھ) فرماتے ہیں: وَكَذَلِكَ مِمَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ عَلَى اللَّهِ مَا لَا يَعْلَمُ مِثْلَ أَنْ يَرْوِيَ عَنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ أَحَادِيثَ يَجْزِمُ بِهَا وَهُوَ لَا يَعْلَمُ صِحَّتَهَا. "اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کہے جس کا اُسے علم نہ ہو، مثلاً وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں بالجزم بیان کرے حالانکہ وہ اُن کی صحت کے بارے میں نہ جانتا ہو۔" (مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ: 425/3)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691- 751ھ) فرماتے ہیں:

وهكذا لا يسوغ أن يقول قال رسول الله لما لا يعلم صحته ولا ثقة رواته بل إذا رأى أي حديث كان في أي كتاب يقول لقوله صلى الله عليه وسلم أو لنا قوله صلى الله عليه وسلم، وهذا خطر عظيم وشهادة على الرسول بما لا

یعلم الشاهد .   "اسی طرح کسی حدیث کی صحت اور اس کے راویوں کی ثقاہت جانے بغیر یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یوں فرمایا۔ ہوتا یہ ہے جب کسی کتاب سے کوئی حدیث پڑھ لی جاتی ہے تو آدمی کہنے لگتا ہے کہ (میرا یہ مذہب) رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے یا ہماری دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ یہ بہت بڑا خطرہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسی گواہی ہے جس کے بارے میں گواہ کو علم نہیں ہوتا۔" (احکام اھل الذمۃ لابن القیم: 20/1، وفی نسخۃ: 23/1)

سیّدنا عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ اور تحقیق حدیث:

سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اندر آنے کی اجازت طلب کی، اجازت نہیں ملی، ہو سکتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مشغول ہوں ۔ سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے ۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: کیا ابو موسیٰ اشعری کو آواز نہیں سُنی؟ ان کو اندر آنے کی اجازت دو۔ کہا گیا کہ وہ تو واپس لوٹ گئے ہیں۔ آپ نے اُنہیں بلایا۔ انہوں نے کہا: ہمیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے (کہ تین دفعہ اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ)۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس بات پر گواہ لاؤ۔ سیّدنا ابو موسیٰ انصار کی ایک مجلس میں تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا: آپ کے اس موقف پر ہم میں سے کم سن گواہی دے سکتا ہے۔ سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو لایا گیا (اور انہوں نے گواہی دی)۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ فرمانِ رسول مجھ پر مخفی رہا۔ تجارتی زندگی کی مشغولیت کے باعث میں اس حدیث سے واقف نہیں ہو سکا۔
(صحیح البخاری: 2063، صحیح مسلم: 2153)

صحیح مسلم کی ایک روایت (2154) میں ہے: إِنَّمَا سَمِعْتُ شَيْئًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَثَبَّتَ.   "میں نے ایک بات سُنی تو چاہا کہ اس کی تحقیق کروں۔"

یہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے احتیاط کا عالم تھا۔ جو مبلغین اور واعظین منبر

پر بیٹھ کر بے سند اور بے سر وپا روایات بیان کرتے رہتے ہیں، ان کے لیے دعوتِ فکر ہے۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **إنّ من أقدم على رواية الأحاديث الباطلة يستحقّ الضرب بالسياط، ويهدّد بما هو أكثر من ذلك، ويزجر ويهجر، ولا يسلّم عليه، ويغتاب في الله، ويستعدى عليه عند الحاكم، ويحكم عليه بالمنع من رواية ذلك ويشهد عليه .** ”جو شخص جھوٹی روایات بیان کرنے کا اقدام کرتا ہے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسے کوڑے ماریں جائیں، اس سے بھی سخت سزا سے اُسے دھمکایا جائے، اُسے ڈانٹا جائے اور اس کا بائیکاٹ کیا جائے، اس کو سلام نہ کہا جائے، اللہ کی رضا کی خاطر اس کی بُرائی سے دوسروں کو آگاہ کیا جائے، اُسے حاکمِ وقت کے پاس لے جایا جائے اور حاکم اُسے جھوٹی روایات بیان کرنے سے منع کرے اور اس پر گواہ قائم کرے۔“ (تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص للسیوطی: ص 167)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **الإسناد من الدين .**

”سند دین کا حصہ ہے۔“ (التمہید لابن عبد البر: 57/1، وسندہٗ حسن)

امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إنّما يعلم صحّة الحديث بصحّة الإسناد .**

”حدیث کی صحت اُس کی سند کی صحت سے معلوم ہوتی ہے۔“

(التمہید لابن عبد البر: 57/1، وسندہٗ حسن)

سند ہی وہ معیار ہے جس سے علم کی تنقیح کا کام لیا جا سکتا ہے۔ سند ہی اسلام کی شان و شوکت ہے اور اہل حدیث کی کرامت ہے۔

ہمارا اپنا مَیلان یہ ہے کہ Sms کے ذریعے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ بھیجنا اتنا مستحسن اقدام نہیں کیونکہ اس سے روزانہ ہزاروں کی تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتیں منسوب ہو جاتی ہیں۔ اہل بدعت اس سے غلط فائدہ اُٹھاتے ہیں، لہٰذا یہ دروازہ بند ہونا چاہیے۔

اگر ضرور ہی ایسا کرنا ہو تو اس میں احتیاط کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے، مثلاً آپ کو ایسا Sms موصول ہو تو تحقیق کیے بغیر تسلیم نہ کریں۔ اس سے پہلے کہ آپ اُسے آگے پہنچائیں، اس Sms کرنے والے سے اس کے ثبوت اور سند کا مطالبہ کریں۔

❀❀❀❀❀❀❀